بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۲ | ۲۵ر نومبر ۲۰۲۴ء مطابق ۲۲ر جمادی الاول ۱۴۴۶ھ | شمارہ نمبر ۲

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

اس شمارے میں

شعروادب مگر لذتِ شوق سے بے نصیب	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۴
اداریہ کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو.....	محمد عمیر الصدیق ندوی	۵
دین وشریعت ملتِ ابراہیمی اور دینِ محمدیؐ کی دعوت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
سراغ زندگی دارالعلوم ندوہ کے طلبہ سے چند باتیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۱۱
فکرِ معاصر مسلمان ایک صاف شفاف آئینہ	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۳
اصلاح ودعوت نوجوانانِ ملت سے صاف صاف باتیں	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۵
راہِ عمل فراستِ ایمانی اور حکمتِ نبویؐ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۰
منزل بہ منزل صدارتی خطبہ رابطہ ادبِ اسلامی	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۲۳
اصلاحِ حال کیا آپ موجودہ حالات کو بدلنا.....	ڈاکٹر سراج الدین ندوی	۲۶
قلمِ نو بہار نونہالوں کی دینی تربیت	سید رشید احمد حسنی ندوی	۲۸
یقیں محکم ایمان واستقامت کا پیکر	محمد ارمغان بدایونی ندوی	۲۹
رسید کتب تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۳۱
فقہ وفتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ، ساز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

گیا دَورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ھمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

دلِ طورِ سینا و فاراں دونیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیمؑ

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش
مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں اُلجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو.....

محمد عمیر الصدیق ندوی

رابطہ ادبِ اسلامی کا وجود یوں تو ۱۹۸۶ء میں عمل میں آیا اور بحیثیت ایک فعال و ملک گیر؛ بلکہ عالم گیر تحریک' اس نے اپنے وجود کی معنویت اور مقصدیت ظاہر کردی؛ مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ تحریک ندوۃ العلماء کے مقاصد میں اور پھر اس کے تعلیمی و تربیتی نظام میں زبان وادب کی اہمیت روزِ اول سے نمایاں رہی ہے، عربی ادب اور پھر اس میں قدیم وجدید کے اسلوب اور مناہج میں مہارت کے ساتھ اردو ادب میں علمی وادبی مضامین ومقالات کے اظہار میں ندوہ کی تربیت نے جو بلند ترین نمونے پیش کیے، ان کا اعتراف ندوۃ العلماء کی تحریک کے ثمرات کے طور پر زبانوں پر مسلسل جاری ہے۔

اردو کے ادبِ عالیہ میں زبان وانشاء اور فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ندوی اہل قلم کے امتیازات کا اعتراف ہوتا رہا؛ لیکن اس سے بھی زیادہ ان کے قلم کی پاکیزگی اور ادب کے ذریعے انسانی اقدار کی تکریم وتوقیر کی پاسداری کا بھی اظہار کبھی کم نہیں ہوا؛ لیکن وقت جوں جوں گزرتا گیا اور ادب کے مختلف رجحانات اور ادبی نظریات اور قاری وقلم کار کے رشتوں کے بدلتے منظر نامے ادب کے اصل مقصد سے منحرف سے ہوتے نظر آنے لگے، ایسے میں افادیت، نافعیت، بصیرت اور مسرت کے عناصر سے ترکیب پائے ادب کو اس کی اصل شناخت یعنی اسلامیت کے ذریعے متعارف کرانے کی ضرورت نے رابطہ ادب اسلامی کی شکل میں ایک واضح تصور کا اعلان کرادیا، یہ محض ایک فنی ادبی روایت کا احیا نہیں تھا؛ بلکہ اس الحاد اور تشکیک کے خطروں کا احساس تھا جو کبھی فلسفہ، کبھی سائنس اور کبھی اقتصادی وسیاسی نظریات کے پردہ میں فنون لطیفہ کی پاکیزگی کا درپے ہوتا رہا، اور جو گذشتہ صدی میں ادب میں بری طرح دَر اندازی کرتا رہا۔

رابطہ کی تاریخ اب سب کے سامنے ہے، ندوۃ العلماء اور اس کے نقیبوں یعنی مولانا علی میاں ندویؒ، مولانا سید محمد رابع ندویؒ، مولانا واضح رشید ندویؒ اور ان کے بے شمار رفقاء نے ادب اسلامی کی ایسی اور اتنی مجلسیں آراستہ کردیں کہ ملک عزیز کا قریب ہر گوشہ ادبِ اسلامی کے نام اور پیغام سے معمور ہوگیا، ادھر بعض حالات کی وجہ سے ان مجلسوں کی آراستگی میں کچھ فرق آگیا؛ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس کارواں کے نئے سفر کا آغاز اسی نومبر کے وسط کی تاریخوں میں جے پور رشہر سے ہوا، یہ بھی عجیب اتفاق؛ بلکہ حسن اتفاق ہے کہ رابطہ ادبِ اسلامی کا پہلا باقاعدہ سیمینار اسی جے پور کی سرزمین پر ہوا تھا، اس وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:، مولانا سید محمد رابع ندوی اور جے پور کی جامعۃ الہدایہ کے بانی مولانا عبدالرحیم مجددیؒ کی سی شخصیتوں کی عظمت کے سائے دراز تھے، اب قریب نصف صدی کے بعد مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی اور مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی اور مولانا فضل الرحیم مجددی کی صورت میں ماضی گویا پھر سے حال سے ہمکنار ہوا۔

اس سیمینار کا مرکزی موضوع مولانا عبدالرحیم مجددیؒ کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی کی تلاش کے اردگرد تھا کہ ادبِ اسلامی کی ایک بڑی پہچان تذکرہ وسوانح نگاری کی صنف ہے جس نے اردو ادب کو خاص طور پر ثروت منداور قدر کے قابل بنایا ہے، موضوع خواہ کتنا ہی شخصی ہو، گفتگو میں نثر وشعر سے، بیانیہ، انشائیہ سے ادبی قدروں کا اظہار ہوکر رہتا ہے، اقدار وافکار میں وحدت ہو یا تنوع، خوبصورت الفاظ اور دل کو چھو لینے والی ادا اور طریقۂ تعبیر سے عبارتیں ادبی رنگوں میں شرابور ہوہی جاتی ہیں اور یہیں سے ادب کو تشنہ کامی کا گلہ اور شکوہ بھی نہیں رہتا۔

اس سیمینار کا خطبۂ صدارت ''تعمیر حیات'' کی اسی اشاعت میں شامل ہے، سیمینار میں پیش کی گئی رپورٹ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں شامل کی جاسکتی ہے، سیمینار میں پروفیسر محسن عثمانی، پروفیسر محمد حسان خان، ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی، ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی، پروفیسر سید وسیم اختر، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی، مولانا محمد وثیق ندوی، ڈاکٹر جنید عارف، جناب عارف عزیز، سید اقبال احمد دہلوی، ڈاکٹر ندیم اشرف، پروفیسر محمد سمیع اختر فلاحی، مولانا ذکی نور عظیم ندوی، ڈاکٹر حسین محمد، ڈاکٹر شفیق احمد خان، ڈاکٹر کلیم الرحمٰن ندوی، ڈاکٹر سلیم گنوری اور ڈاکٹر نور الصباح اسماعیل ندوی وغیرہ جیسے معروف ناموں کے ساتھ نئے لکھنے والوں کی بھی خاصی پر اثر شمولیت رہی، سیمینار کی مفصل روداد میں ان سب کا ذکر آنا چاہیے۔

جے پور؛ بلکہ راجستھان کا اردو زبان وادب سے رشتہ قدیم ہے اور بہت دلچسپ بھی، غالب ہوں یا خود مہاراجہ جے پور اور پھر الور، بھرت پور سے ٹونک تک دیکھا جائے تو راجستھان کی سنگلاخ اور ریت کی لہروں پر تیرتی زمین پر اردو کے نخلستان جگہ جگہ بتاتے جاتے ہیں کہ محبت و اتحاد اور یکجہتی کے خمیر سے اٹھنے والی یہ میٹھی اور سچی زبان، محبت کے نغموں سے راجستھان کی فضاؤں میں کس طرح رس گھولتی رہی اور یہ بھی ثابت کرتی رہی کہ حکومت واقتدار کی بیساکھیوں کے بغیر بھی زبان سے دل تک اتر کر اثر کرنے میں کامیابی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔

جے پور کے اس سیمینار میں ندوہ اور رابطہ کے ذمہ داروں کے ساتھ جامعۃ الہدایہ سے وابستہ ہر شخص نے اپنی غیر معمولی مہمان نوازی سے دل جیت لینے کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا، خصوصاً مولانا شمشاد ندوی، مولانا حبیب الرحیم مجددی، مولانا سفیان سورتی، یہ چند نام زبان پر ہیں، یہ سب تمام شرکائے مذاکرہ کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کامیاب مذاکرۂ علمی سے پہلے دار العلوم ندوہ کی اولین شاخ اور وسط ہند کے ظلمت کدہ میں اسلام کی پہلی کرن' ریاست بھوپال کے دار العلوم تاج المساجد میں ''تحریک ولی اللہی کے اثرات ریاست بھوپال پر'' کے عنوان سے ایک سیمینار ہوا، اس کے دوروز کے پروگرام میں واقعہ ہے کہ برسوں کی محنت اور مطالعہ کی مشقت سے جو حاصل ہونا آسان نہیں تھا، وہ شرکاء وسامعین کی قسمت میں بہ آسانی اور بحسن وخوبی آگیا، بھوپال شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ واحد شہر ہے جس کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اولاد امجاد کا وطن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، اس سیمینار سے ایک چھوٹی سی ریاست کے انتہائی غیر معمولی کارناموں کے پس پشت ان نفوس قدسیہ کی کاوشوں کی یاد تازہ ہوگئی جو خاص طور پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی برکتوں سے مالا مال ہوئے۔

نواب سید صدیق حسن خان اور مدار المہام منشی جمال الدین اور مفتیوں اور قاضیوں کے وہ مشہور خاندان جو مولانا عبد القیوم بڈھانوی کی بدولت بھوپال کی زریں تاریخ کا حصہ بن گئے، ان سب کے کارناموں پر جس طرح مقالات پیش کیے گئے، اس کے لیے سیمینار کے تمام ذمہ دار خصوصاً امیر دار العلوم تاج المساجد پروفیسر محمد حسان خان تبریک وتحسین کے حقدار ہیں، خدا کرے اس سیمینار کے مقالے کتابی شکل میں جلد سامنے آجائیں۔

ان جیسے سیمیناروں کی افادیت کا اس لیے بھی قائل ہونا چاہیے کہ کتابوں سے رشتوں اور رابطوں کا یہ بڑا ذریعہ ہیں، زبان وتہذیب اور بڑی حد تک مذہب کی نعمتوں سے محروم رہ جانے کا سبب اچھی کتابوں سے محرومی ہے، کتب خانے ویران ہوتے جاتے ہیں اور ایک کلک سے ہزاروں کتابوں کے عکس اور سایوں سے نظر اور عقل دونوں پر پردہ ڈالنے کا دجالی منصوبہ ہے اور اس کو کامیاب بنانے کی سازش پوری طرح تیار کرلی گئی ہے، اس جدید تکنیکی انقلاب کے ''اثم اکبر'' کے مفہوم کی گہرائیوں کو بہر حال غور سے دیکھے جانے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

دین وشریعت

ملتِ ابراہیمی اور دینِ محمدیؐ کی دعوت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے وطن ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، ہمارے اس فیصلہ کو ارادۂ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری، یا بے چارگی پر مبنی نہیں ہم نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر، قانون شریعت اور اپنی پوری مذہبی وتہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔

اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی اور عزت کے ساتھ رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور وآئین کا بھی فیصلہ ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی خصوصیات، قانون شریعت، احکام دین، اپنے عقائد وشعائر اپنی زبان وتہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اس طرح رہنے سے یہ وطن، وطن نہیں؛ بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے، ہمارا خمیر ضرور اس ملک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے؛ لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر وترقی اور دستور سازی میں شریک ہیں، اس لیے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں، اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے اور اس حق کو جب بھی چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

زندگی اور موت بھی اسلام پر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام اور ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر اپنی زندگی گزاریں اور جب موت آئے تو اسی دین وملت پر آئے:

"وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" [آل عمران: ۱۰۲] (تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو)۔

اسی کی وصیت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کی کی کہ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو:

"وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ". [البقرہ: ۱۳۲] (اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو تھی اور اس کی وصیت یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، انہوں نے کہا تھا، میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا)۔

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لیے پیدائش سے لے کر موت تک اس کے انتظامات کیے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے، اس کو ہر وقت یاد رہے کہ اس کا تعلق اس دین وملت سے ہے جس کے داعی ابراہیم اور محمد علیہما السلام تھے جس کی بنیاد توحید پر ہے اور وہ ایک الگ امت ہیں، مسلمان جس وقت بھی پیدا ہوتا ہے، اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، اس کا اسلامی نام رکھا جاتا ہے، ناموں میں ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں عبدیت وحمد کا اظہار ہے، اس سے ابراہیمی سنتیں ادا کرائی جاتی ہیں اور جب مرتا ہے تو سب اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہیں۔

اللّٰھم من أحییتہ منا فأحیہ علی الاسلام ومن توفّیتہ منا فتوفّہ علی الایمان. (اے اللہ ہم میں سے تو جس کو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھیو اور جس کو موت دے تو اس کو ایمان کے ساتھ دینا سے اٹھائیو)۔

یہاں تک کہ قبر میں اتارتے ہوئے اور آخری ٹھکانے پر پہنچاتے ہوئے بھی یہی لفظ زبان پر ہوتے ہیں:

بسم اللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ، اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کے دین وملت پر، اس کا مقصد اور پیغام یہ ہے کہ ہمیں اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور زندگی کی ہر منزل پر اس کو یاد رکھنا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی اور امت محمدی کے فرد اور ایک مخصوص

شریعت اور آئین ومسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے موحّد اور وفادار بندے ہیں، ہماری زندگی بھی اسی آئین ومسلک کی وفاداری میں گزرے اور ہمیں موت بھی اسی حال میں آئے، ہماری موجودہ نسلیں بھی اسی راستہ پر گامزن رہیں اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اسی صراط مستقیم پر چلیں۔

ملت ابراہیمی اور دین محمدیؐ کی اس دعوت کو آج صراحت اور تعین کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے، یہ اس تہذیب کی دعوت ہے جس کی بنا ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی ہے اور تکمیل و تجدید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اجتماع واخلاق میں اس کے معین اصول ہیں، یہ فرد کی حریت اور فلاح کی ضامن ہے، چند معین عقائد، معین اصولوں اور معین کرداروں نے اس کو وجود بخشا ہے، یہ ابراہیم علیہ السلام ومحمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مشترکہ دعوت اور میراث ہے اور اس کے سوا کوئی تیسری چیز خدا کو قبول نہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان وعقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (Family law) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، وہ فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" [الملك: ١٤] (کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے)۔

اسی طرح وہ زمانہ کا خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی وحال ومستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لیے ایک بار یہ مان لینے کے بعد وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لیے بنایا گیا ہے تو ترمیم وتبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی وعلمی نفاق کے سوا کچھ نہیں، پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل متوازن اور عادل ہونے اور زمان ومکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی وعلمی شواہد اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی ومغربی فضلاء، جری وانصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی "شپرۂ چشم" ہی ان سے انکار کرسکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے اور بڑا قیمتی مواد جمع کردیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا تو انہوں نے "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو بیدار رکھنے کا سامان کیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی دوسرا مسئلہ شب خون نہ مارنے پائے یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح وترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہوگیا، اور اتنا ثابت ہوگیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فیصد متفق ہیں، اس لیے دانش مندی، حقیقت پسندی اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے۔

یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بہت بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں، سماجی خدمت گاروں، اصلاحی کام کرنے والوں (ریفارمرس Reformers) یا بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا ہے، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں؛ لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر ودبستان خیال (School of Thought) اور خالص مطالعہ، غور وفکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل، سرحدی لکیر (Line of Demarcation) ہوتی ہے جو ایک کو

دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث (Confusion) ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی ان مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت اظہار کے لیے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقہ پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حد فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفۂ سماجیات (Social Scince) کا علم تہذیب وتمدن (Civilization) سوسائٹی اور انسانی معاشرہ یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر ودانش کا ایک مستقل مدرسہ (School of Thought) بھی ہے؛ لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ''دین'' ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا اور وہ ان کے لیے اسی درجہ کا قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لیے اور سارے امتیوں کے لیے۔

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' [سورۃ النجم: ۳،۴] (اور وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (اور ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔

''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْراً نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' [الشوریٰ: ۵۲] (آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے؛ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کرر ہے ہیں)۔

وحی نبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی ونبوت کے عہد سے اتنے دور ہوچکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی ذہانت کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ ہے اور حق ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ کس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارہ میں مشورہ دینے یا فیصلے کرنے کے اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے، اس بارہ میں مذاہب میں خود اختلاف ہے اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذاہب ایسے ہیں کہ وحی ونبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کرلیا ہے، مثلاً عبادات کے دائرہ میں؛ لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد ومعبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے اور جامع بھی، قرآن شریف میں ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ص وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ'' [سورہ بقرہ: ۲۰۸] (اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے)۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی، عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ

معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا،اس کا نتیجہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی وخاندانی روابط وتعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں، اس لیے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہیے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

یہاں سے یہ عہد کر کے جایئے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے، یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے؟ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے، شرائط پیش کیے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلادی جاتی ہیں، ملک میں سیکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے،ا-کیا اس کائنات کے خالق اور نوع انسانی کے مربی (جس کی مخلوق مرد وعورت دونوں ہیں) کو یہ چیز گوارا ہوسکتی ہے؟ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک، کوئی معاشرہ پنپ سکتا ہے؟ خدا کی رحمت ونصرت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونا چاہیے تھی، میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" [الأنفال:۳۳] (اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور وہ انہیں عذاب دے)۔

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہوا؟ اس کو عقل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، آپ کے ہوتے بھی یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، چہ جائے کہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجیے کہ آپ اسلامی طریقہ پر شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے، آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لیے رفیقۂ حیات کی تلاش کریں گے، بیٹے کے لیے پیام دیں گے تو جہیز کے لیے آپ کے بڑھے چڑھے مطالبات نہیں ہوں گے کہ ہمیں یہ ملنا چاہیے، وہ ملنا چاہیے، لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو اس کا عہد کرنا چاہیے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے رسم کو ختم کردیں گے۔

☆☆☆☆☆

امن وتہذیب کا دور اور عزت وناموس کا تحفظ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

نام نہاد تہذیب وتمدن کے علمبردار اور حقوقِ انسانی کے پاسبان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور امن و سلامتی کے تمام ذرائع مہیا ہیں، وہ انسانی حقوق کے محافظ ہیں، باہمی گفت وشنید سے مسائل حل کیے جاتے ہیں، کوئی ملک کسی ملک پر ظلم نہیں کرسکتا، اس کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرسکتا، باہمی تعاون وتبادلہ اس دور کا امتیاز ہے؛ لیکن جب ایک طاقتور ملک دوسرے کمزور ملکوں پر حملہ کرتا ہے اور ان کو کمزور کر کے پوری طرح اپنے شکنجہ میں کس لیتا ہے اس وقت یہ تمام دعوے کہاں چلے جاتے ہیں؟ اقوام متحدہ بھی خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، آج کل ایک دعویٰ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا قیدیوں کو حقوق عطا کرتی ہے اور ان کا پورا احترام قائم رکھتی ہے؛ لیکن ترقی یافتہ ممالک کی جیلوں میں بند بے چارے قیدی جن سختیوں کا سامنا کررہے ہیں وہ صرف ظالمانہ نہیں؛ بلکہ وحشیانہ ہیں، درندوں سے تو اس طرح کا برتاؤ کا تصور کیا جاسکتا ہے، انسانوں سے نہیں۔

پہلے جنگیں محدود پیمانے پر ہوتی تھیں اور ان کے نقصانات بھی بہت محدود ہوتے تھے؛ لیکن آج جنگیں عالمی پیمانہ پر ہوتی ہیں جن میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے استعمال کیے جاتے ہیں، دہشت گرد تنظیموں اور تحریکوں کو مدد دی جاتی ہے کہ وہ معصوم جانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑیں، گھروں میں سونے والے، سڑکوں پر چلنے والے بے گناہوں پر بم برسائیں؛ لیکن پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ آج کا دور تہذیب اور امن کا ہے، اور عزت وناموس کے تحفظ کا ہے۔ ☆☆☆

سراغِ زندگی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ سے چند باتیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

آپ حضرات یہاں علم دین حاصل کر رہے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے، اگر کوئی دین کے کسی شعبہ میں بھی لگا ہے، چاہے وہ چھوٹا سا مکتب ہی کیوں نہ ہو، وہ شخص بڑا قیمتی ہے، ایک بات آپ لوگ سمجھ لیں، کچھ سال بعد آپ کا شمار طبقہ خواص میں ہوگا، کوئی اپنے علاقہ کا ذمہ دار ہوگا، کوئی رہبر اور امام ہوگا، یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے، آپ ظاہری طور پر یہاں سے فارغ ہوجائیں گے آپ کو سند فراغت دے دی جائے گی؛ لیکن اصل زندگی آپ کی فراغت کے بعد شروع ہوگی، جب آپ کا عوام سے سامنا ہوگا، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے اندر وہ تمام صفات موجود ہوں جو صفات ایک پکے سچے مومن کے اندر ہونی چاہیے، سچائی اور امانت داری، نیکی اور شرافت، تواضع اور انکساری، صاف گوئی اور حسن اخلاق آپ کا امتیاز ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم عطا کیا ہے؛ لیکن ہم اس علم سے کبھی غفلت میں نہ پڑ جائیں، غفلت انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، علم سے غفلت یہ ہے کہ عمل سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو، اور ایسا علم جو عمل میں نہ ہو وہ علم آخرت میں پکڑ کا سبب بنے گا، علم اصل عمل کا نام ہے، اگر علم کے مطابق ہماری زندگی ہے تو ہم عالم ہیں، اگر ہماری زندگی علم کے مخالف ہے، تو کون ہمیں عالم کہے گا، کسی بھی ادارہ کی سند ہم دکھاتے پھریں؛ لیکن کوئی یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ ہم عالم ہیں، ایک بات یہ کہ بعض مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جب کوئی عالم ہوجاتا ہے یا قاری ہوجاتا ہے تو وہ کبر کا شکار ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو تکبر کرے، ہم علم کی کتنی ہی بلندی پر پہنچ جائیں لیکن کبھی تکبر نہ کریں، ہمارے طور طریقہ سے کبر کا شائبہ تک نہ ظاہر ہو، عام طور سے تکبر کی بیماری یا اپنے کو بڑا سمجھنے کی بیماری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، جب تک ہم اپنے آپ کو کسی کے حوالے نہیں کریں گے اور اپنے معاملات میں مشورہ سے کام نہیں لیں گے تو مستقبل میں نقصان اٹھائیں گے، اگر ہم اپنی صلاحیت اور ذہانت پر بھروسہ کریں گے اور اپنی ہی رائے کو بہتر سمجھیں گے تو یہ چیز نقصان دہ ثابت ہوگی، ہم نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ کسی کے تابع ہوکر زندگی کا سفر طے کریں خود مختار نہ بنیں، بڑے جو فیصلہ کردیں اس کے مطابق عمل کریں، یہ سعادت مندی اور کامیابی کا زینہ ہے، ایک بات کا اور خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے شرف وعزت تواضع میں رکھی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے متواضع تھے، کوئی معمولی شخص بھی آپ کو راستے میں روک لیتا اور اپنا مسئلہ آپ کے سامنے رکھ دیتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے کہ: "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ" صحابہ کرام کی بھی یہی صفت تھی؛ لیکن موجودہ دور میں طلبہ کی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ سب خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں، بعض طلباء تو ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے اساتذہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، معاصرین اور ساتھیوں کی تو بات ہی چھوڑ دیجیے، عام طور سے معاصرین ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے؛ لیکن یہ بھی ایک خرابی ہے، ایک مومن کی یہ شان ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ دوسرے مومن سے کراہیت محسوس کرے، ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے، ہم اپنے دلوں کو صاف رکھیں، چال بازی، سازش، کینہ اور حسد ایک مومن کے اندر نہیں ہو سکتے، مومن تو بہت سیدھا سادہ اور شریف ہوتا ہے، یہ تمام خرابیاں فاسق فاجر میں ہوتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے: "المؤمن غرّ کریم والفاسق خبّ لئیم" مومن کا یہ کردار نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی دوسرے مومن کو تکلیف پہنچائے، ستائے یا اس کے ساتھ چال بازی اور دھوکے کا معاملہ کرے، یا دل میں اس کے تعلق سے حسد اور کینہ رکھے، سب سے پہلے ہم مومن بن جائیں، پکے سچے مومن، صحابہ کرامؓ کے نمونے ہمارے سامنے ہیں، دیکھیے عالم بننا ضروری نہیں؛ لیکن ایک مومن بننا مسلمان بننا ضروری ہے، کتنے عالم ایسے ہوں گے جن کا علم ان کی پکڑ کا سبب بنے گا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سزا کے مستحق ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کیا، جانتے ہوئے بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ہمارے مدارس سے بڑی تعداد ہر سال فارغ ہوتی ہے، کیا وہ علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، کئی سال احادیث کا بڑا ذخیرہ ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرتا ہے، کیا کبھی خیال آیا کہ یہ احادیث اور سنتیں اپنے عمل میں لے آئیں، ہم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں میں ہے، ناموس رسالت کے لیے ہم سب کچھ کرسکتے ہیں اپنی

جانوں کو قربان کر سکتے ہیں، تو کیا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اپنی زندگی میں نہیں لا سکتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اپنے نام کے ساتھ شامل کیا ہے، اور ہمیں یہ اعزاز بخشا کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا، اور ہمیں دینی علوم کے حصول میں لگایا، انہوں نے اور ان کے اصحاب نے اس دین کو ہم تک پہنچانے کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں، تو کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام طریقوں اور سنتوں کو عملی جامہ پہنائیں، کیا ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا بھی حق نہیں ہے، ہمارا شمار عوام میں نہیں ہے؛ بلکہ خواص میں ہے، دن بھر ہم کتنے کام کرتے ہیں کبھی ہم نے سوچا کہ یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کرنا چاہیے، ہم کھانا کھاتے ہیں کھانے کے آداب سے بھی ہم واقف ہیں، کیا کبھی سوچا کہ کھانا سنت کے مطابق کھائیں، ہم استنجا کرتے ہیں کبھی ہم نے غور کیا کہ استنجاخانہ میں ہم بائیں پیر سے داخل ہوئے یا دائیں پیر سے، جو ہم پڑھتے ہیں کیا کبھی ہم نے یہ نیت کی کہ آج جو پڑھا ہے اس پر عمل کریں گے، کسی کو خلاف شریعت کام کرتے دیکھتے ہیں تو کیا کبھی ہماری رگ حمیت پھڑکی، کبھی ہمارے ضمیر نے ہمیں جھنجھوڑا، اللہ تعالیٰ کا دین مٹتا رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو پامال کیا جاتا رہا تو کیا کبھی ہم نے اس کی تلافی کی فکر کی، یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے قیامت تک باقی رہے گا، اگر ہم اس کے لیے کھڑے نہ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو کھڑا کرے گا وہ اس کے دین کا کام کریں گے، ہمارے لیے بڑے ڈرنے کی بات ہے۔

ترتیب وپیشکش: محمد سلمان بجنوری ندوی

☆☆☆☆☆

دینی تعلیم سب سے اہم مسئلہ

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مسلمان کے لیے معاش کا مسئلہ، ملازمت کا اور کاروبار کا مسئلہ حتی کہ فسادات اور جان و مال کا مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اس کے دین وایمان کا مسئلہ اور ایمان پر خاتمہ، عذاب سے نجات اور جنت میں داخلہ کا مسئلہ ہے، قرآن شریک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا". (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں اور اہل وعیال کو آگ کے عذاب سے بچاؤ)۔

لیکن جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ کا مسئلہ، عقیدہ وایمان کی درستی وصحت سے متعلق ہے، اور عقیدہ وایمان کی درستی وصحت صحیح دینی تعلیم پر منحصر ہے، اس لحاظ سے دیکھیے تو مسلمان بچوں کی تعلیم کی اہمیت ہم پر پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، اور اس کی مزید تفصیل اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس دینی تعلیم کا نظام ہماری ملت میں صحیح معنی میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہم اس ملک کی ۲۵ سالہ تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہو جائے گا کہ سیکولر یا سرکاری نظام تعلیم میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، گنجائش نہ ہوتی تب بھی کوئی شکایت کی بات نہ تھی، مصیبت یہ ہے کہ جو نصاب تعلیم بچوں کو پڑھایا جارہا ہے وہ اس قدر زہریلا، مشرکانہ اور مضر ہے کہ نہ صرف ہمیں ایک متوازی نظام تعلیم کا انتظام کرنا ہے بلکہ اس زہر کا تریاق بھی مہیا کرنا ہے۔

اس وقت جو نصاب تعلیم سرکاری مدارس میں پڑھایا جارہا ہے وہ ایسا ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد کوئی مسلمان بچہ (اگر وہ صرف اسی نصاب پر انحصار کرے) مسلمان باقی نہیں رہ سکتا، اس لیے اس نصاب تعلیم پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا خودکشی کے مرادف ہے۔

بنیادی بات جو اس پورے مسئلہ میں ہمیں طے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ خود ہم مسلمانوں کو اس اہم مسئلہ میں کیا کرنا ہے؟ درحقیقت اس معاملہ میں سب سے بڑا قصور مسلمانوں کا ہے، اور سب سے زیادہ ذمہ داری بھی مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے تمام مسائل کے ساتھ ہم اس مسئلہ کو بھی حل کریں اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی بھی مدرسۂ خیال، مکتب فکر، برادری اور کسی بھی شہر یا قصبہ سے متعلق ہو اس میں بھرپور حصہ لے، اور یہ محسوس کرے کہ حالات کتنا سنگین رُخ اختیار کرنے والے ہیں، اور اگر بروقت توجہ نہ کی گئی تو خدانخواستہ ایسا وقت آئے گا کہ نئی نسل اپنی تہذیب، ثقافت، مذہب، کلچر اور زبان سے بالکل بیگانہ ہو جائے گی۔

دینی تعلیم کا مسئلہ مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے لوگوں کو آواز دے رہا ہے کہ وہ اپنے سارے اختلافات بالائے طاق رکھ کر اس اہم مسئلہ میں یکسو ہو جائیں اور ایک متوازی نظام تعلیم کا جال بچھا دیں جو ان کو غلامی سے بے نیاز کردے، ایک زندہ قوم کی حیثیت سے ہمیں یہ کام اس سے قبل کر لینا ہوگا کہ لگام ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہے اور کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

☆☆☆

فکر معاصر

مسلمان ایک صاف شفاف آئینہ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

''انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے''۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر تمام ماہرین نفسیات کا اتفاق ہے، ماحول ایک سانچہ ہے جس میں انسان کی شخصیت اور اس کا کردار ڈھلتا ہے، تاریخ انسانی کے چند ہی ادوار کا مطالعہ اس حقیقت کو واشگاف کردیتا ہے کہ انسان اپنے معاشرہ اور گرد وپیش کے حالات سے متأثر ہوتا ہے، اپنے معاصر لوگوں کے افکار ونظریات کا اثر قبول کرتا ہے اور پھر انہیں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگیاں دو مختلف ومتضاد مرحلوں سے گذریں، ایک مرحلہ جاہلیت کا تھا، ان کی زندگی اخلاقی اقدار اور حسن کردار سے عاری تھی، وہ ہر طرح آزادی کی زندگی گذارتے تھے، نہ مذہب کی کوئی پابندی، نہ ضمیر کی ملامت، ان کا ہر قول وفعل گمراہی وجہالت اور گھٹیا پن کا نمونہ، کسی کا دل دکھانے، کسی کی زندگی کی مسرتوں کو چھین لینے اور ماحول کو آلائشوں سے بھر دینے میں انہیں کوئی جھجک اور کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ وہ تفریح طبع کا سامان بنتا تھا۔

دوسرا مرحلہ آیا تو کایا پلٹ گئی، اب زمین بھی دوسری اور آسمان بھی دوسرا، شب وروز بھی دوسرے، اب وہی شخص حق وبھلائی کا علمبردار، ہر موقع ومحل میں وہ صاحب کردار، اس کا ہر قول وعمل لوگوں کے لیے اسوہ ونمونہ، اس کے بلند اخلاق اور مثالی کردار نے اسے بام عروج پر پہونچا دیا ہے، اب وہ اخلاص وخیر خواہی اور نیکی وایثار کا پیکر بھی ہے اور اس کا داعی بھی، اور یہ سب کچھ صرف اخوت ایمانی کے جذبے، ضمیر کے احساس وحکم کی تعمیل میں، اور آخرت پر ایمان اور رضائے الٰہی کے مقصد سے انجام پاتا ہے۔

یہ ہیں ایک مسلمان کی دو تصویریں، اپنی تصویر کے ایک رخ میں وہ صحیح ایمانی عقیدہ پر ثابت قدم ہوتا ہے، کسی بھی حال میں ذرا بھی لچک گوارہ نہیں کرتا، انجام سے آنکھیں بند کرکے اپنے عقیدہ کے موقف پر اٹل رہتا ہے، اور دوسرا رخ دیکھئے تو شریعت الٰہیہ پر مکمل کاربند ہوتا ہے، وہ یقین رکھتا ہے کہ خدا کی یہ شریعت ہی انسان کی خدمت کرسکتی ہے اور اس کی زندگی کو ہر مقام پر سرخروئی سے ہمکنار کرسکتی ہے۔

مسلمان اپنے بھائی کے سامنے ایک نہایت ہی صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے، ہر شخص اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور گرد وغبار کے جو داغ دھبے نظر آتے ہیں انہیں دور کرلیتا ہے، اس کے عیب کو درست کرلیتا ہے، اور اسے اچھی طرح سنوار لیتا ہے، یہ آئینہ جس قدر صاف ہوتا ہے اسی قدر وضاحت کے ساتھ سارے نقوش ابھر آتے ہیں، اور آراستگی کا عمل بخوبی انجام پاتا ہے، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''المؤمن مرآة المؤمن'' (مؤمن مؤمن کے لیے آئینہ ہوتا ہے)۔

اسلام کے ابتدائی ادوار میں مسلمان اپنے دین کا سچا عملی پیکر تھا، اپنے کردار سے اسلامی سیرت کا داعی تھا، اور شریفانہ انسانی خصلتوں پر اور فطرت کے مطابق بلند اخلاقی کی بنیاد پر لوگوں کی تربیت کرتا تھا خود اللہ نے اپنی کتاب حکیم میں مسلمان کی اس صفت دعوت وتربیت کو بیان فرمایا ہے:

''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ'' [آل عمران: ۱۱۰] (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

افسوس کہ آج مسلمان اپنے مقام سے نیچے اتر آیا ہے، آج اس کی سیرت وکردار دیکھئے تو ایک ایسے انسان کی تصویر سامنے آتی ہے جو ہر فضیلت وخوبی سے خالی، ہر محبت اور جذبۂ خدمت سے عاری ہے، اس کی فکری جولان گاہ صرف اپنے چند ذاتی مسائل ہیں، نہ دوسروں کی فکر ہے نہ کسی اور کا غم، اس کی مسرتیں صرف اس میں ہیں کہ اپنے طبعی تقاضے پورے کرلے، اپنی خواہشات اور پست مقاصد کو حاصل کرلے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دیکھئے، کس قدر تاکید کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ایثار اور خیر خواہی ایمان کی علامت ہے: '' لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه'' (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) لیکن اب یہ مسلمان اپنے اس امتیاز سے تہی دامن ہو چکا ہے، اب وہ تصویر ہے

غرور وتکبر کی ، بھلائیوں اور خوبیوں کو ملیامیٹ کردینے کی ، پڑوسیوں کو ایذارسانی کی ، اپنے مسلمان بھائیوں کے اندر عیب جوئی کی ، اور انقلابات زمانہ کا شکار ہو جانے والے، مصیبت میں مبتلا بھائیوں پر خوش ہونے کی اور اپنے بھائی کو ضرورتمند پا کر اسے بے یارومددگار چھوڑ دینے اور راہ فرار اختیار کر لینے کی۔

اپنی ان خصلتوں اور عادتوں کے ساتھ ہم کیوں کر اپنے معاشرہ اور اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں ، ہمارے لیے کیوں کر ممکن ہے کہ ان بنیادی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکیں ، جن کی خاطر ہم پیدا کیے گئے ، اور اللہ نے ہمیں حلقہ بگوش اسلام کیا تھا، اس وقت زمانہ صاحب کردار و باشعور مسلمان کا منتظر ہے، ایسا مسلمان جو داعی ہو، تعلیمات دین کا پیکر ہو، اس کی رگوں میں اخلاص کی روح جاری وساری ہو، اور وہ ملت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکتا ہو، عصر حاضر نہایت بے تابی سے اس وقت اس امت کا منتظر ہے، جسے اللہ نے پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ وہ اسلامی شخصیت وکردار اور ایمانی فدا کاریوں کے نمونے پیش کرے، جسے اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا تھا، ایک معتدل امت، تا کہ وہ دیگر امتوں کے لیے روز قیامت گواہ ہو، اور خود رسول امت صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لیے گواہ ہوں:

"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً" [بقرہ:۱۴۳] (ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو جائیں)۔

☆☆☆☆☆

رحمتِ الٰہی کا سمندر

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

اگر کوئی شخص اس طریقہ پر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس پشیمانی اور پریشانی کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرد یتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت رحیم وکریم ہے، اس کی رحمت کو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے ، اگر دنیوی مثالوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بالکل یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح ممبئی کے سمندر میں پورے شہر کی گندگی جمع ہو جاتی ہے؛ لیکن جب ایک موج آتی ہے تو پورا کچرا غائب ہو جاتا ہے، لہٰذا جب سمندر کی ایک موج سے پورے شہر کی گندگی کالعدم ہو سکتی ہے تو اللہ کی رحمت کے سمندر کا عالم کیا ہوگا؟ اس کو سمجھنا ہی ہم لوگوں کے لیے مشکل بات ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اگر بندہ پورے آسمان وزمین بھر کر گناہ لے کر آئے ، اور اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو میں اس کو معاف کر دوں گا؛ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پہلے کوئی اللہ تعالیٰ سے مانگ کر بھی تو دیکھے، ورنہ بغیر مانگے تو کوئی حل ہونے والا ہی نہیں ہے، جیسے سمندر کے کنارے گندگی جمع ہی نہ ہو؛ بلکہ شہر ہی میں رہے تو اس گندگی سے سوائے تعفن کے اور کچھ نہیں ہوگا؛ لیکن اگر وہی گندگی سمندر کے کنارے چلی جائے تو پھر اس کو ایک موج صاف کر دے گی، اور شہر بھی تعفن سے پاک رہے گا، اور اس کی فضا ٹھیک رہے گی، ایسے ہی انسان جب گندگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ ایسا معاف کرتا ہے کہ کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا، کہ یہ شخص بھی گناہ گار تھا؛ لیکن اگر کوئی شخص اپنے گناہوں کی گندگی کو روکے رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں جا کر توبہ نہیں کرتا، تو پھر اس میں کسی کا کیا دوش ہے؛ بلکہ خود اس کی کمی ہے کہ وہ اس گندگی سے ساری دنیا کی فضا کو مسموم کر رہا ہے۔

ہم سب کی یہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کریں جس سے پوری دنیا کی فضا خوشگوار ہو جائے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسان نسخہ بھی بیان فرما دیا کہ کچھ نہیں کر سکتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور کرو؛ کیونکہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو اسی کے راستہ پر چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حشر اسی کے ساتھ طے فرما دیتا ہے، لہٰذا ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ ہمارے اندر اللہ ورسول اور نیک بندوں سے محبت پیدا ہو جائے؛ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ دوسری طرف ان حضرات سے بھی محتاط رہنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابہ یا اولیاء کے دشمن ہیں، یہاں تک کہ ان کے تعلق سے بدگمانی سے بھی باز رہنا چاہیے کیونکہ جو بدگمانی کرے گا وہ مار کھائے گا اور جو برا بھلا کہے گا اس کو تو بہت ہی خطرناک سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صحیح محبت کرنے کی اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

اصلاح ودعوت

نوجوانانِ ملت سے صاف صاف باتیں

مسجد ہدیٰ نوائط کالونی بھٹکل میں ایک دردانگیز خطاب

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سید الأولین والآخرین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہٖ أجمعین وعلی من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: "إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى". صدق اللّٰہ العظیم.

میرے عزیز نوجوان بھائیو اور دوستو!

میں سب سے پہلے آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ دین کی نسبت پر اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ شاید تاریخ سے واقف ہوں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے، جن کے ذریعہ سے آج ساری دنیا میں ایمان کی بہار ہے، اگر آپ غور کریں اور تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں ۸۰؍فیصد وہ تھے جن کی عمریں بیس سال سے کم تھیں اور بیس فیصد وہ تھے جن کی عمریں بیس سال سے زیادہ تھیں، ان میں بہت سے صحابہ معمر بھی تھے، لیکن جو جلیل القدر صحابہ ہیں، جنہوں نے بڑا کام کیا اور جن کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہیاں موجود ہیں، ان میں بڑی تعداد وہ ہے جو بہت کم عمر تھی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات ۳۲؍سال کی عمر میں ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس بائیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو بچے ہی تھے، وہ آپ کی خدمت کرتے تھے اور دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سیکھا اور پھر انہوں نے معلم امت بن کر امت کو بہت کچھ سکھایا۔ اس کے علاوہ نہ جانے کتنے صحابہ ہیں، آپ ان کی تاریخ دیکھئے تو حیرت ہوگی کہ کتنی کم عمری میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دین کی اس خدمت کے لیے قبول فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ جو نعمت عطا فرماتا ہے یہ ہر ایک کو نہیں دیتا، بلکہ جس کے اندر جذبہ اور کچھ کرنے کا شوق ہوتا ہے، اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

نوجوان-ملت کا مستقبل

اس میں شبہ نہیں کہ نوجوان ملت کا سرمایہ ہیں، ملت کا قیمتی اثاثہ اور ملت کا مستقبل ہیں۔ اب یہ مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ اگر چاہیں تو مستقبل کو روشن کریں اور آپ اگر چاہیں تو مستقبل کو تاریک کریں۔ اس وقت عمومی طور پر پوری دنیا کی صورت حال انتہائی قابل فکر ہے، ہمارے نوجوان جس رخ کی طرف جارہے ہیں، وہ ایسا رخ ہے کہ اس کے بعد پلٹنا آسان نہیں ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہمارے نوجوانوں کی ہے، ان کو سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سپاہی ہیں، اگر سپاہی پیچھے ہٹے گا اور فوج پیچھے ہٹے گی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ آج ہم اپنے اندر کی خواہشات، اپنے دل کی رغبتوں اور چاہتوں کو بعض مرتبہ پورا کرنے کے لیے اپنے آپ کو ایسے راستے پر ڈال دیتے ہیں کہ پھر ہمارے لیے دوسرے سارے راستے بند ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم یہ نہیں سوچتے کہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر کیا ذمہ داری ڈالی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ جوانی آخر کیوں دی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ طاقت کیوں دی ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی اس طاقت کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی اس زندگی کو ہمیں کس طرح گذارنے کی ضرورت ہے؟

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس وقت انتہائی خطرناک پلاننگ (Planning) کی جا رہی ہے، اس وقت یہودی دماغ اور عیسائی وسائل جس طرح ایک ہوکر مسلمانوں کے خلاف یلغار کر رہے ہیں اور جس طرح وہ مسلمان نوجوانوں کو غلط رخ کی طرف لے جارہے ہیں اور جس طرح وہ ان کو نئے نئے وسائل اختیار کرکے برباد کرنے کی پلاننگ اور سازشیں کر رہے ہیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہم بیدار نہ ہوئے اور اپنے دشمنوں کو ہم نے نہ سمجھا تو کوئی طاقت ہمیں بچا نہیں سکتی۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ دشمن ہمارا استعمال کرے اور ہم یہ نہ

سوچیں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں اور کس کے ہاتھوں میں کھلونا بن رہے ہیں؟

میں آپ پر کوئی الزام نہیں رکھتا؛ لیکن مجھے نوجوانوں کے بارے میں یہ بات بتائی گئی، میں ہر جگہ کی بات کہتا ہوں، میں صرف کالجوں کو نہیں کہتا، میں مدرسوں کو بھی کہتا ہوں کہ ہمارے نوجوان اس وقت کھلواڑ بنے ہوئے ہیں، ان کی باگ دوسروں کے ہاتھ میں ہے اور انہیں یہ احساس نہیں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ گویا ہم اپنے لیے گڑھے کھود رہے ہیں، ہم اپنی ملت کے لیے آخر کون سے ایسے اقدامات کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ہمارے سامنے جو حالات پیش آرہے ہیں اور جو خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں، وہ چھٹ جائیں۔ اگر خدانخواستہ یہی صورت حال رہی تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہمارے نوجوانوں کی ہے، اگر ہمارے نوجوان طے کرلیں کہ ہمیں غیروں کا آلہ کار نہیں بننا ہے، ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک طاقت دی ہے، ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ڈٹنے اور دوسروں کا مقابلہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے، ہر نوجوان اگر یہ طے کرلے کہ اللہ نے ہمیں جو طاقت اور جوانی دی ہے ہم اس کا صحیح استعمال کریں گے اور اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کریں گے، تو یہ امت کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہوگا۔ آج امت ضرورت مند اور منتظر ہے ایسے نوجوانوں کی جن کے اندر بہادری ہو، جن کے اندر ایمانی شجاعت ہو، جن کے اندر ہمت اور حوصلہ ہو اور جن کے اندر کچھ کر گذرنے کا جذبہ ہو۔

فاتح ہند

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے اور بہت دور نہ جایئے، محمد بن قاسم جنہوں نے اس ملک کو فتح کیا، جس وقت وہ یہاں فاتح بن کر آئے تو ان کی عمر کل سترہ برس کی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ وہ عمر جس کے متعلق لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کھیلنے اور (Enjoy) کرنے کی عمر ہے، محمد بن قاسم نے اسی عمر میں ہندوستان پر حملہ کیا جو حقیقت میں حملہ نہیں تھا، بلکہ وہ اس عمر میں جب یہاں آئے تو لوگ ان کے اخلاق کو دیکھ کر ان کے گرویدہ ہوگئے اور ان پر گویا فریفتہ ہوگئے اور تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ جب ان کو اس ملک سے جانا پڑا تو یہاں کے بڑے بڑے پنڈت اور برادران وطن کے بڑے بڑے وہ لوگ جو اس وقت اپنے فہم پر بڑا ناز رکھتے تھے، وہ سب ان کے سامنے کھڑے ہوکر روتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ یہاں سے نہ جایئے، آپ یہاں آئے تو ہمیں آپ سے بہت کچھ ملا، آپ سے ہمیں زندگی کا سلیقہ ملا، آپ سے ہم کو محبت ملی، آپ سے ہمیں معلوم ہوا کہ اس ملک میں کتنی چیزیں ہیں جو اس مالک نے پیدا کی ہیں، لیکن ہم ان کو جنگلی پھل سمجھتے تھے، حالانکہ وہ چیزیں ہمارے کام کی نکلیں، ہمیں صحیح زندگی ملی، ہمیں لباس کا سلیقہ نہیں تھا، ہمیں کھانے کا سلیقہ نہیں تھا، ہم نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور سب سے بڑھ کر ہمیں آپ سے محبت ملی، آپ کا جانا ہمارے لیے انتہائی درجہ فکر کی چیز ہے، آپ یہاں رک جایئے؛ لیکن وہ ایک مجبوری تھی کہ ان کو یہاں سے جانا پڑا، جس کا ایک تاریخی پس منظر ہے اور وہ ایک تاریخی المیہ ہے جسے میں یہاں بیان نہیں کرنا چاہتا، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایک نوجوان کو اللہ نے جب کھڑا کیا تو اس نے اس ملک میں کتنا بڑا کام کیا۔

اس کے علاوہ آپ مثالیں دیکھئے، حضرت سید احمد شہیدؒ اخیر دور کے ہیں، ابھی تقریباً ان کی شہادت کو ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذرا ہوگا، ان کی کیا عمر تھی؟ ۴۸ر سال کی عمر میں ان کی شہادت ہوئی، وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کی خدمت میں گئے، اللہ نے ان کو جو مقام دیا، اللہ نے ان کو جو ایمانی طاقت اور جذبہ جہاد دیا، اعلائے کلمۃ اللہ کا جو جذبہ حضرت سید احمد شہیدؒ میں تھا، اس جذبہ کے ساتھ، اس ایمان کی طاقت کے ساتھ، اخلاق کی اس سربلندی کے ساتھ، جب انہوں نے پورے ملک کے دورے کیے تو لگتا تھا کہ ایمان کی بادِ بہاری آگئی، وہ جس شہر اور جس گاؤں سے گذرے وہاں کی کایا پلٹ گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ کوئی بڑے عالم نہیں تھے، انہوں نے بڑی بڑی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، لیکن ان کے اندر جذبہ ایمانی، حمیت وشجاعتِ ایمانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کا وہ جذبہ تھا جس نے ان کو وہ طاقت دی جس کے ذریعہ سے پورے ملک میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ یہ جملہ کہتے تھے کہ: ''اگر حضرت سید احمد شہید نہ ہوتے تو ہم مسلمان نہ ہوتے۔''

مردانِ کار کی ضرورت

میرے دوستو اور بھائیو! آج ضرورت ہے ایسے ہی جیالوں کی، ایسے ہی اللہ والوں کی، ایسے ہی ایمانی طاقت رکھنے والوں کی، ایسے ہی فنائیت کے ساتھ آگے بڑھنے والوں کی۔ آج ہمارے نوجوانوں میں کیسے لوگ ہیں، کیسی صلاحیتیں رکھنے والے کہ اگر یہ طے کرلیں اور ان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوجائے، تو ان میں نہ جانے کیسے غیر معمولی لوگ پیدا ہوسکتے ہیں؛ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ آج ان نوجوانوں کو

برباد کرنے کی، ان کی صلاحیتوں کو برباد کرنے کی جو سازشیں کی جارہی ہیں، وہ ایسی سازشیں ہیں کہ ان کے نتیجہ میں ہمارے نوجوان غلط رخ کی طرف جارہے ہیں اور ان کو احساس نہیں ہوتا کہ ہم کس طرح اپنے دشمنوں کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔

میرے نوجوان بھائیو! ہمیں اس کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کہاں کہاں سے ڈسے جارہے ہیں؟ ہمارے دل ودماغ پر کہاں کہاں سے تیر چلائے جارہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، ہم کتنی آسانی کے ساتھ تیر کھاتے ہیں، ہم کتنی آسانی کے ساتھ اپنے دل ودماغ کو زخمی کرتے ہیں، ہم کس طرح اپنے اخلاق کو ہم (Corrupt) کرتے ہیں اور ہم یہ نہیں سوچتے کہ ہم بجائے اس کے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے کھڑے ہوتے اور آپ کے دین کے سپاہی بنتے، آج ہم دوسروں کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

ایک گہری سازش

موجودہ دور میں جو طرح طرح کے وسائل ہیں، ان میں سرفہرست موبائل ہے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ موبائل جو ایجاد کیا گیا، اس میں بہت لمبی پلاننگ تھی اور اس کے پس پردہ بہت ساری ایسی چیزیں شامل تھیں کہ اس کے ذریعہ سے ہمیں دوسروں کے ہاتھ میں کھلواڑ بنایا جائے، ہمارے اخلاق سے کھیلا جائے، ہمارے جسم سے کھیلا جائے، ہماری طاقت سے کھیلا جائے اور ہمارے اوپر پوری نگرانی رکھی جائے تاکہ وہ جو چاہیں کریں۔ آج کی جو موجودہ صورت حال ہے، اس میں یہ بات آپ بھی جانتے ہوں گے کہ موبائل کے راستے سے بھی ہمارا (Remote Contro) دشمنوں کے پاس ہے، وہ جس طرح سے چاہیں استعمال کریں، اسی موبائل کے ذریعہ سے وہ کسی کے جسم کو ہلاک کریں، کسی کے دماغ کو ہلاک کریں، کسی کے دل کو ہلاک کریں اور کسی کی طاقتوں کو برباد کریں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہمیں ذرا بھی یہ خیال نہ رہے کہ یہی موبائل ہے جس کا ہم صحیح استعمال کرکے بہت کچھ کرسکتے تھے، لیکن آج یہی موبائل ہمیں استعمال کررہا ہے اور ہم اس کا آلہ کار بن رہے ہیں۔

آج مسلمان نوجوانوں کو برباد کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، آج مختلف چائے خانوں اور مختلف دوکانوں میں ایسی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، جہاں ہمارے نوجوان جاتے ہیں اور بیٹھتے ہیں اور ایسی چیزیں استعمال کرتے ہیں کہ اس کے بعد ان کی عقل اور ان کے دماغ اور ان کا دل کسی مصرف کا نہیں رہتا۔ شاید آپ نے سنا ہوگا کہ ان کے جو بعض بڑے پجاری اور ذمہ دار قسم کے لوگ ہیں، انہوں نے یہ بات کھل کر کہی کہ ہم بعض مرتبہ ایسی چیزیں کھلا دیتے ہیں کہ ان کے دماغ ماؤوف ہوجاتے ہیں، ان کے دماغوں پر گویا کہ جادو چل جاتا ہے اور پھر وہ کسی مصرف کے نہیں رہتے۔

آج ہماری نوجوان بچیوں کے ساتھ جو کھلواڑ ہورہا ہے، اگر اس کے بعد ہمارے اندر حمیت پیدا نہ ہو، اگر اس کے بعد ہم یہ نہ سوچیں کہ ملت کا مستقبل کیا ہوگا؟ یہ نئی نسل جو آرہی ہے اس کے ساتھ جس طرح کھلواڑ کیا جارہا ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلے گا تو پھر ہمیں کون بچائے گا؟

یاد رکھئے! فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر آپ فیصلہ نہ کریں گے، تو کوئی دوسرا آپ کو بدل نہیں سکتا، کوئی دوسرا آپ کو ایک نئے راستے کی طرف پکڑ کر زبردستی چلا نہیں سکتا۔ اگر آپ خود طے کریں گے کہ ہمیں اس راستے پر چلنا ہے، اپنے راستے کو ہمیں خود بنانا ہے، اپنی زندگی کو ہمیں خود اس قابل بنانا ہے کہ ہم اس امت کے لیے ایک ایسے جوہر بن کر نکلیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی زمانہ میں لوگ پیدا کیے، جنہوں نے ملکوں میں انقلاب برپا کیا، لوگوں کو ایک راستہ بتایا، انسانیت ومحبت اور شرافت کا ایسا طریقہ بتایا کہ لوگ ان کے فریفتہ اور گرویدہ ہوگئے۔

دو عظیم طاقتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے، ہمارے پاس ایمان اور اخلاق کی طاقت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دو طاقتیں غیر معمولی ہیں، اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے پاس کون سی طاقت ہے؟ آج مسلمانوں کے پاس کون سے اسباب ہیں؟ آج مسلمانوں کے پاس کون سی ایسی چیزیں اور وسائل ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ساری دنیا میں جو چاہیں وہ انقلاب برپا کردیں؟ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آپ کے پاس ایمان کی طاقت ہے، آپ کے پاس اخلاق کی طاقت ہے اور یہ ایسی طاقت ہے جو ہر دل اور ہر دماغ میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس کو ہر اُس فردِ بشر میں جس کو ایمان دیا' اُس کے دل میں یہ طاقت رکھی ہے۔ یہ کلمہ طیبہ کی طاقت ہے، یہ اللہ کی محبت کی طاقت ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طاقت ہے۔ اگر آپ اس چنگاری کو فروزاں کریں تو یہ وہ چنگاری ہے جو نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ سکتی ہے اور ہمارے سامنے باطل کی جو یلغار ہے، وہ ساری کی

ساری یلغار ختم ہوسکتی ہے، لیکن آج لگتا ہے کہ جیسے خس وخاشاک کی طرح کوئی بہا دیا جائے، اسی طرح ہمارے نوجوان گویا بہائے جا رہے ہیں، ان کو وہ جو رخ دینا چاہیں وہ رخ دیتے ہیں اور ہمارے نوجوان بڑی آسانی کے ساتھ ان کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔

اس وقت کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آج موبائل کے ذریعہ سے ہمیں بے حیائی سکھائی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد کالجوں میں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے، بلکہ جو دین دار حلقے ہیں بعض مرتبہ وہاں بھی ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ آدمی سوچ نہیں سکتا۔

نشہ کی لت

اس کے علاوہ نوجوانوں میں نشہ کا جو بڑھتا ہوا رجحان ہے، جو لوگ (Figures) پیش کرتے ہیں اور پوری تفصیل بتاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔ اس ملک میں جو نشہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، جو لوگ اس کی تفصیلات بتاتے ہیں، تو مختلف قسم کے نشہ کرنے والوں کی تعداد اگر دیکھی جائے تو تقریباً ۳۵ر کروڑ لوگ ایسے ہیں جو بغیر نشے کے رات کو نہیں سوتے۔ اس ملک کی آبادی کیا ہے؟ اگر آپ اس پر غور کریں تو تقریباً ۲۰-۲۵ر فیصد آبادی کی حالت یہ ہے کہ وہ نشہ کی یلغار میں ہے اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ اپنی جگہ پر کہ نہ وہ اپنے گھر کے، نہ وہ اپنے دَر کے، نہ وہ اپنے ادارے کے، نہ وہ اپنی صحت کے اور نہ وہ کسی کام کے، بلکہ وہ برباد ہوکر رہ جاتے ہیں اور ہمارے دشمنوں کا یہی مقصد ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں اس کا بالکل احساس نہیں، ہم تھوڑے سے مزے کے لیے اور بعض مرتبہ تھوڑی سی لذت کے لیے ایسے کام کرتے ہیں اور نشہ کی لت میں ایسے پڑ جاتے ہیں کہ پھر ہمارا بچنا مشکل ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! اس وقت خاص طور سے مسلمان علاقوں میں جہاں مسجدیں ہیں، جہاں مدرسے ہیں اور جہاں مسلمان نوجوان ہیں، وہاں اس کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور لوگوں نے بتایا تو یہ اندازہ بھی ہوا کہ باقاعدہ کالجوں اور اسکولوں میں اس کا کاروبار ہوتا ہے، اس کو لوگ اپنے فائدے کے لیے جو کرتے ہوں گے وہ اپنی جگہ لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے کام سے پھیرنے کے لیے اور نوجوانوں کا راستہ کھوٹا کرنے کے لیے یہ سارے اسباب اختیار کیے جا رہے ہیں اور ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔

احساس کی دولت کا فقدان

بھائیو! سب سے بڑا مسئلہ احساس کا ہے، اگر احساس نہ رہے اور ہمارے اندر بیداری نہ رہے تو یاد رکھئے! آپ کے ساتھ کوئی کچھ بھی کرے، کیسی ہی کوئی تقریر کرے، آپ کو سمجھائے اور آپ کو راستہ بتائے، لیکن آپ یہاں سے نکلیں گے تو خدانخواستہ نہ جانے کدھر جائیں گے؟ کیا اس کی کوئی ضمانت لے سکتا ہے؟ اس لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اندر خود ایک جذبہ پیدا ہو، ہمارے اندر خود ایک احساس پیدا ہو کہ ہم کس رخ کی طرف جا رہے ہیں؟ ہمارے سامنے اس کا جو نتیجہ آنے والا ہے، خود ہمارا اور پھر ہماری ملت کا' وہ نتیجہ کیا آئے گا؟ اگر خدانخواستہ اسی طرح ہم اپنی خواہشات میں بہتے رہے اور اپنی خواہشات کو پورا کرتے رہے تو یاد رکھئے! آپ کو کوئی نہیں سنبھال سکتا۔

آپ یہاں سے یہ طے کیجیے کہ ہمیں اللہ کے دین کا سپاہی بننا ہے، آپ کو اللہ نے جو نسخہ دیا ہے، اس کے ذریعہ سے آپ کو غیر معمولی بلند مقام حاصل ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ قیامت کے دن عرش الٰہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ جن لوگوں کو سایہ دیں گے ان میں وہ نوجوان بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کے ساتھ پروان چڑھتے ہیں، اللہ کی بندگی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں، جن کی جوانی ان کو غلط راستے کی طرف نہیں لے جاتی، بلکہ وہ بار بار سوچتے ہیں اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا ہوئے ہیں، ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ ہم کہیں بھی پڑھیں، میں یہ نہیں کہتا کہ آپ فلاں جگہ جائیے اور فلاں جگہ نہ جائیے، آپ کالج میں پڑھئے، آپ اسکول میں جائیے، آپ مدرسوں میں تعلیم حاصل کیجیے، لیکن یاد رکھئے! آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس کیجیے اور یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ اللہ نے یہ جوانی دی ہے تو کس کام کے لیے دی ہے؟ یاد رکھئے! جب نوجوان طے کرتے ہیں تو اللہ کی ایسی مدد آتی ہے جس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔

اصحابِ کہف

میں نے شروع میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی جس میں ارشاد ہے:

"إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى" (وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو مزید سوجھ بوجھ سے نوازا)۔

قرآن مجید میں اصحابِ کہف کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے' اس میں ان کو "فتیة" کہا گیا، عربی زبان میں "فتیة" نوجوانوں کو کہتے ہیں، اصحابِ کہف وہ نوجوان تھے جن کو اللہ نے یہ ایمانی قوت دی کہ انہوں نے اپنے ایمان کا برملا اظہار

کیا اور یہ وہ نوجوان تھے جو اس وقت کے بڑے بڑے امراء ووزراء کے فرزند تھے، انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان اور اظہار کیا، پھر جب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ لوگ ان کے پیچھے لگ گئے ہیں اور ان کی جان کو خطرہ ہے تو وہاں سے وہ نکلے اور ایک جنگل میں پہاڑی سلسلہ تھا وہاں پہنچے، پھر ایک غار کے اندر داخل ہوئے، اس غار میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسا سلایا کہ وہ تین سو سال تک سوتے رہے، اس کے بعد اللہ نے ان کو بیدار کیا۔

میرے نوجوان بھائیو! آپ غور کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحابِ کہف کی ایمانی بلندی کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا اور پوری ایک سورہ کو انہی کے نام سے موسوم کیا ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ہم جمعہ میں اس سورۂ شریفہ کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے پڑھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں طرح طرح کے فتنوں سے بچائیں گے اور خاص طور سے دجال کے فتنے سے بچائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سورۂ کہف میں جو سب سے اہم واقعہ نقل کیا گیا وہ اصحابِ کہف کا ہے اور یہ اصحاب کہف دراصل چند نوجوان تھے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کے لیے کھڑا کیا اور پھر خارقِ عادت طریقہ پر اللہ نے ان کی مدد کی۔

آپ یاد رکھئے! آپ اگر اس ایمان کو لے کر کھڑے ہوں گے، پھر اپنی حفاظت کریں گے اور اللہ کے دین کے پرچم کو بلند کرنے کا عزم کریں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی ایسی ہی مدد کرے گا، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحابِ کہف کی مدد کی تھی؛ لیکن اس کے لیے وہ ایمان چاہیے، اندر کا وہ جذبہ چاہیے۔ آپ سوچئے کہ وہ کن حالات سے گھرے ہوئے تھے، اگر دیکھا جائے تو ان کے سامنے تو اس کے مقابلہ میں حالات کچھ بھی نہیں تھے؟ اس وقت طاقت کس کی تھی؟ حکومت کس کی تھی؟ بڑے بڑے امراء اور وزراء کون لوگ تھے؟ اس وقت وہ دور تھا جب اہل شرک وکفر غالب تھے اور ان کے مقابلہ میں یہ چند لوگ تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس پورے کفر وشرک کے مجموعہ میں سے انتخاب کر کے کھڑا کیا اور پھر اللہ نے کس طرح ان کی حفاظت کی۔

آپ ایکٹر نہیں فیکٹر ہیں

ہم اس ملک میں ہیں جہاں اکثریت ہمارے برادران وطن کی ہے، ہمارے پاس اللہ نے ایمان کی روشنی رکھی ہے، یہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم ایمان کی یہ روشنی دوسروں تک منتقل کرتے، ہم دوسروں کے لیے رہبر بنتے اور دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ بنتے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم دوسروں سے متاثر ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں (Actor) نہیں بنایا تھا، بلکہ اللہ نے ہمیں وہ مقام دیا تھا جو (Factor) کا ہوتا ہے، جو بنیادی حیثیت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں، جو زمانہ اور اس کے رخ کو بدلتے ہیں، جو بعض مرتبہ بہتے ہوئے سیلاب کی مخالف سمت میں چلتے ہیں اور اس کے دھارے کو پلٹ دیتے ہیں، یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کہتے تھے کہ آج جو دھارا بہہ رہا ہے ہمیں اس میں نہیں بہنا ہے، لیکن اس کے اندر داخل ہو کر اس دھارے کے رخ کو پلٹنا ہے۔ یہ کس کی ذمہ داری ہے؟ ظاہر ہے یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے۔

یاد رکھئے! اگر آپ اس کے لیے کھڑے نہیں ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مختلف ذرائع میں استعمال کیے جائیں گے، آپ کو غلط کاموں میں لگایا جائے گا، اگر آپ صحیح کام میں نہیں لگیں گے، اپنی زندگی کا صحیح استعمال نہیں کریں گے، اپنی جوانی کا صحیح استعمال نہیں کریں گے تو آپ کو یقیناً غلط کاموں میں لگایا جائے گا۔ اس وقت اس بات پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

شکوک وشبہات کا فتنہ

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ایک ایسی یلغار ہے کہ مختلف سوالات پیدا کیے جاتے ہیں، جس سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور نوجوانوں میں طرح طرح کے سوالات دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن الحمد للہ آپ کے اس قصبہ (بھٹکل) میں بڑے بڑے علماء ہیں، اصحابِ علم و فکر ہیں، آپ ان کے پاس جائیے، وہ آپ کے مسائل کا حل پیش کریں گے اور آپ کے دماغوں میں جو سوالات آتے ہیں، وہ ان کے جوابات دیں گے۔ حقیقت میں یہ ایک پلاننگ اور ایک ایسا سلسلہ ہے جس کے ذریعہ سے ہمارے عقائد کو بگاڑا جا رہا ہے، ہمارے اعمال کو بگاڑا جا رہا ہے اور ہمارے اندر کی صلاحیتوں کو برباد کیا جا رہا ہے، اگر ہم طے کر لیں تو یاد رکھئے کہ کوئی ہمارا سودا نہیں کر سکتا، لیکن اگر خدانخواستہ اپنا سودا کرنے کے لیے ہم خود تیار ہیں، ہم بالکل یہ یاد نہیں رکھتے کہ اللہ نے ہمیں کس کام کے لیے پیدا کیا ہے اور ہم آسانی کے ساتھ دوسروں کا شکار بن جاتے ہیں، تو اس سے بڑھ کر ہماری ناکامی کیا ہو سکتی ہے؟

(جاری)

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

فراستِ ایمانی اور حکمتِ نبویؐ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سیرت میں ایک اہم واقعہ غزوۂ بنو مصطلق کے نام سے آیا ہے، بنو مصطلق قبیلۂ بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھی، یہ 'مریسیع' نامی مقام پر آباد تھے، جو مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلہ پر واقع تھا، حارث بن ابی ضرار اس قبیلہ کی قیادت کرتا تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ اس قبیلہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تحقیق کے لیے اپنے ایک نمائندہ کو بھیجا، انھوں نے یہاں آکر تحقیق حال کیا اور اس خبر کی تصدیق ہوئی، اس پس منظر میں یہ بات ضروری محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کو اس قریبی دشمن سے محفوظ رکھا جائے اور حملہ کرکے ان کو مطیع بنایا جائے؛ چنانچہ مدینہ منورہ سے ایک فوج روانہ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس میں شریک تھے۔

قبیلہ کے اکثر لوگوں کو تو مجاہدین کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور انھوں نے راہِ فرار اختیار کی، مگر کچھ تیر اندازوں نے جم کر تیر برسائے، بہت سے لوگ قید ہوئے، ان ہی قیدیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جو قبیلہ کے سردار حارث کی بیٹی تھیں، ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے خود ان کی خواہش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے نکاح میں لے آئے اور اس طرح یہ سعادت بخش اسیری نے انھیں ''اُم المومنین'' ہونے کا شرف بخشا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہؓ نے دفعتاً تمام اسیرانِ جنگ کو آزاد کردیا، کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی اعزہ کو کیوں کر اپنا غلام و باندی بنا کر رکھ سکتے ہیں؟ اور بالآخر یہی واقعہ اس قبیلہ کے قبول اسلام کا باعث ہوا۔

اس غزوہ کا ایک سبق آموز پہلو یہ ہے کہ جن منافقین نے غزوۂ اُحد جیسے نازک موقعہ پر مسلمانوں کو اپنی پیٹھ دکھائی تھی، مخالف فوج کی کمزوری اور تعداد کی کمی کو دیکھتے ہوئے اور مالِ غنیمت کی طمع میں وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوگئے، ایک جگہ جب لوگوں نے پڑاؤ کیا، تو پانی لینے کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ کے غلام اور ایک انصاری میں معمولی سی لڑائی ہوگئی، حضرت عمرؓ کے غلام نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو آواز دی، انصاری نے انصار کو پکارا، دونوں طرف سے لوگ جمع ہوگئے، منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ایسے موقع کی تاک میں رہتا تھا، اس نے اس واقعہ کو اور بھی شہ دیا، اور انصار سے کہا کہ یہ سب تمہارا اپنا کیا ہوا ہے، تم نے مہاجرین کو اپنے یہاں پناہ دی، ان کو سہولتیں پہنچائیں اور اب ان کی جرأتیں اس قدر بڑھ گئی ہیں!--- مہاجرین کے ساتھ تمہاری مثال عربی زبان کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو --- کہ وہ تم ہی کو کاٹ کھائے، ''سمّن کلبك یأكلك'' نتیجہ یہ ہوا کہ وقتی طور پر مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک طرح کی دل شکستگی پیدا ہوگئی، انصار چوں کہ عبداللہ بن ابی کے نفاق، اسلام، پیغمبر اسلام اور اُمتِ مسلمہ سے اس کی خفیہ عداوت اور اندرونی عناد سے واقف نہیں تھے، اس لیے سادہ لوح لوگ اس کی چال کو سمجھ نہیں سکے، عبداللہ بن ابی نے یہ بھی کہا کہ اب مدینہ سے باعزت لوگ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔

ایک نوعمر انصاری صحابی --- جو اس کی ان زہرناک باتوں کو سن رہے تھے --- نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری صورتِ حال بیان فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کو سمجھایا اور فرمایا کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور ابھی سے تم عصبیتِ جاہلیہ کی بات کرنے لگے ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کسی کو حکم دیا جائے کہ اس منافق کی گردن اُتار لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے رفقاء کو بھی قتل کرانے لگے ہیں؟ یعنی لوگ عبداللہ بن ابی کے نفاق سے واقف نہیں ہیں، اگر ان کے قتل کا حکم دیا گیا تو لوگ سمجھیں گے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اب خود اپنے اصحاب کے قتل کا حکم دے رہے ہیں، حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔

فوج نے کوچ کیا، معمولِ مبارک یہ تھا کہ صبح کو سفر شروع ہوتا تو شام میں کہیں پڑاؤ کیا جاتا اور رات بھر آرام کرنے کے بعد صبح میں دوبارہ سفر

شروع کیا جاتا اور شام میں سفر شروع ہوتا تو رات بھر سفر کر کے صبح دم کسی منزل پر توقف کیا جاتا؛ لیکن خلافِ معمول آج دن بھر اور رات بھر سفر جاری رہا، پھر اگلی صبح بھی پڑاؤ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر فوج کو خیمہ زن ہونے کا حکم دیا، ابن ہشام اور دوسرے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ سفر کی درازی اور اس کی مشقت لوگوں کو تھکا دے، مہاجرین وانصار کے درمیان جو تلخی پیدا ہوگئی تھی، وہ ذہن سے محو ہوجائے اور لوگ اس قدر تھک جائیں کہ آرام اور ضروریات کی فکر کریں۔

اس کے بعد دو عجیب واقعے پیش آئے، ایک یہ کہ مدینہ کے قریب پہنچ کر عبداللہ بن ابی کے صاحبزادہ جو مخلص مسلمان تھے، کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس وقت تک اپنے والد کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیا، جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دے دیں، یہ عبداللہ بن ابی کی اس بات کا جواب تھا کہ مدینہ کے باعزت لوگ ذلیل وکمتر لوگوں کو نکال باہر کریں گے، ظاہر ہے کہ ذلیل وکمتر سے اس منافق کی مراد مسلمان اور خاص کر مہاجرین سے تھی۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم صادر کرنے والے ہیں، انصار بھی عام طور پر اس کے نفاق سے واقف ہو چکے تھے، اسی دوران عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: سنا ہے کہ آپ میرے والد کے قتل کا حکم دینے والے ہیں، اگر آپ یہ حکم دیں تو بے جا نہیں ہوگا؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے بڑی محبت ہے اور میں ان کے قاتل کو دیکھ نہیں سکتا، پھر یہ بات اچھی نہیں ہوگی کہ ایک کافر کی وجہ سے ایک مسلمان کا قتل ہو؛ اس لیے اگر آپ واقعی ایسا حکم دینے والے ہیں، تو مجھے حکم فرمائیں، میں اپنے والد کا سر قلم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، جب تک کوئی شخص بظاہر مسلمان ہوگا، میں اس کے ساتھ مسلمان کا سا ہی معاملہ کروں گا؛ بلکہ میں تو عبداللہ بن ابی کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا کہ اگر اُس وقت عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیا جاتا تو حضراتِ انصار کے دل میں خلش ہوسکتی تھی، وہ سمجھتے کہ ہمارے سردار کو قتل کرا دیا گیا ہے؛ لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ خود ان کے صاحبزادے ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہیں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں میری رائے سے زیادہ برکت ہے: لقد علمت لأمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أعظم برکة من أمری.

[البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ج۴/ص۱۵۸]

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم واقعہ کی روشنی میں جو سبق ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جوش کے ساتھ ہوش اور جرأت کے ساتھ حکمت کا امتزاج ضروری ہے، عواقب ونتائج کو سوچے اور انجام پر نظر رکھے بغیر وقتی جوش اور جذبات کی بنا پر کوئی قدم اُٹھانا مفید سے زیادہ مضر ہوتا ہے اور افراد واشخاص اور اقوام و ملل کو بدانجامی کی طرف لے جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے، مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال رہے اور مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، ایسے وقت میں آدمی سوچتا ہے کہ بار بار مرنے سے ایک بار مرجانا بہتر ہے؛ اس لیے بہت سے صحابہؓ جہاد کی اجازت کے ملتجی ہوتے تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت نہیں دی، صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوبصیر مسلمان ہوکر آئے تو آپ نے معاہدہ کے مطابق انھیں واپس کر دیا، انھوں نے اہل مکہ کے نمائندہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور ایک کا تعاقب کرتے ہوئے مدینہ آپہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنا وعدہ پورا کر چکے ہیں؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پھر واپس کیا اور خفگی کا اظہار بھی فرمایا کہ تم جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے ہو۔

صلح حدیبیہ کے موقع سے چودہ سو جانباز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، یہ وہ لوگ تھے جنھیں خدا کے راہ میں جان دینا جان بچانے سے زیادہ عزیز تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی شرطوں پر ان سے معاہدہ فرمایا؛ حالاں کہ بہت سے صحابہؓ اسے اپنی ہزیمت سمجھ رہے تھے اور انھوں نے اس صلح کو محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں قبول کیا تھا، ورنہ دل اس پر آمادہ نہیں تھا، صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر چالیس مشرکین مکہ کے ایک جھنڈ نے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا، مسلمانوں نے انھیں گرفتار کرلیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یوں ہی رہا کر دیا

کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں نے حرم کے احترام کو بھی پامال کرنا شروع کردیا ہے اور اس طرح یہ عربوں میں اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث نہ بنے۔

اس لیے حیاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سبق یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا کام محض جوش وجذباتیت پر مبنی نہ ہو، وہ کس قدر بھی مظلوم وستم رسیدہ ہوں اور ان کے حالات کتنے ہی ناگفتہ ہوں، فراستِ ایمانی اور حکمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے، وہ دنیا میں ہدایت کا مینار اور روشنی کا چراغ ہیں، کفر کی ظلمتیں اور اندھیرے کی نمائندہ طاقتیں ان سے برسرپیکار ہیں اور وہ انھیں ہر سطح پر نہ صرف مظلوم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں؛ بلکہ انھیں ذلیل ورسوا بھی کرنے کے درپے ہیں، ایسی صورت میں ہماری انفرادی اور اجتماعی ناعاقبت اندیشی غیر معمولی نقصانات کا باعث بن سکتی ہے، دشمن کی طاقت، اس کے عزائم، اس کے مزاج اور اپنی صلاحیت وقوت کا اندازہ کیے بغیر جب ہم کوئی قدم اُٹھائیں گے تو ہوسکتا ہے کہ ہم دو چار افراد کو گرفتار کرلیں، ۲۵، ۵۰ کو قتل کردیں؛ لیکن یہی اقدام اُمت کی بہت سی عورتوں کے سہاگ لٹ جانے، بچوں کے یتیم ہونے، نوجوانوں کے زندگی سے محروم ہونے اور چند اشخاص کے لیے پورے ملک کے تباہ وبرباد کردیے جانے کا باعث ہو، ایسے مواقع کے لیے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کس پہلو کو اسوہ بنانا مناسب ہوگا یہ اہل علم ودانش اور اصحابِ فکرو نظر کے سوچنے کی بات ہے!

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ سورت کا مشہور منیار خاندان جو صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ دیندار خاندان بھی ہے، اکثر حضرات حافظ ہیں، ندوہ اور اس کے بزرگوں سے اس کا عقیدتمندانہ تعلق ہے، اسی خاندان کے عثمان بھائی کا ئی ہفتے بیمار رہ کر ۳۰/ستمبر ۲۰۲۴ء کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ مورخہ ۱۶/نومبر ۲۰۲۴ء مطابق ۱۳/جمادی الاول ۱۴۴۶ھ کو حافظ غلام رسول رنگریز پٹنی کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دونوں کے لیے قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی (رائے بریلی)

کی تازہ پیش کش

صفحات 448 — قیمت 430 روپیے

احکام ومسائل (طہارت اور نماز)

بقلم: مولانا مفتی راشد حسین ندوی

(مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم - رائے بریلی)

طہارت اور نماز کے عمومی و دیگر جدید مسائل، آسان اسلوب اور معیاری زبان کے ساتھ حوالوں کا مکمل اہتمام۔ اپنے موضوع پر ایک منفرد و جامع کتاب جو طلباء وعلماء کے علاوہ عوام الناس وگھر کی خواتین کے کے لیے بھی یکساں مفید!

اہل علم کے ذاتی کتب خانوں کے لیے ایک بہترین سوغات!

رابطہ

ابراھیم بُکڈپو

مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی (یوپی)

9919331295

منزل بہ منزل

صدارتی خطبہ رابطہ ادبِ اسلامی

پیش کردہ برائے سیمینار ''حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرحیم نقشبندی مجددی: حیات وخدمات'' منعقدہ مورخہ ۱۵-۱۷ رنومبر ۲۰۲۴ء بروز جمعہ، شنبہ یکشنبہ، بمقام جامعۃ الہدایۃ، جے پور

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین وبعد!

حضرات! رابطہ ادب اسلامی اور جامعہ ہدایت جے پور کے اشتراک سے منعقد ہونے والے اس ادبی مذاکرہ میں ہم تہہ دل سے آپ حضرات کا استقبال کرتے ہیں، ہم آپ کے انتہائی شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہماری دعوت قبول فرماکر اس ادبی مذاکرہ میں شرکت کی زحمت گوارا فرمائی۔

حضرات! ''جامعہ ہدایت جے پور'' کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں ۱۷-۱۸ رفروری ۱۹۸۷ء میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کا دوسرا عالمی سیمینار بعنوان ''ادب اور مغربی وادبی تحریکات'' منعقد ہوا جس میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے سابق صدر ڈاکٹر عبدالقدوس ابوصالح بھی شریک ہوئے، ان کے علاوہ ملک کے مختلف تعلیمی اداروں سے پچاس سے زائد ممتاز اہل قلم نے بھی شرکت کی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ''جامعہ ہدایت'' کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''راجستھان کی راجدھانی جے پور میں ۱۷ راکتوبر ۱۹۷۶ء میں جے پور شہر سے چند میل کے فاصلہ پر شاہ عبدالرحیم مجددیؒ نے اپنے جدامجد کی یاد میں ان کے نام پر ''جامعہ ہدایت'' کی بنیاد ڈالی، تین طرف سے خشک پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی سرسبز وشاداب وادی میں (جو حجاز کی پہاڑیوں اور وادیوں کی یاد تازہ کرتی ہے) دسمبر ۱۹۸۵ء میں اس جامعہ کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں دوسری ریاستوں کے بھی ممتاز علماء، ماہرین تعلیم و دانشور جمع ہوئے تھے، اس موقعہ پر جب اس ''وادیٔ ہدایت'' میں راقم نے قدم رکھا تھا تو اس منظر کو دیکھ کر کہ پہاڑوں کے درمیان ایک غیر آباد علاقہ میں خدا کے ایک مخلص بندہ اور صاحبِ عزیمت انسان کی عالی نظری اور اولوالعزمی کے طفیل ''جامعہ ہدایت'' کی شاندار عمارت کھڑی ہوئی ہے، بے اختیار مولانا اسلم جیراج پوری مرحوم کا یہ شعر زبان پر آگیا:

عزمِ راسخ ہے نشانِ قیس وشانِ کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دشت وکوہسار

اب یہ وادی وادیٔ علم وہدایت بن گئی ہے، اور جامعہ کی وسیع شاندار اور خوبصورت عمارتوں اور وہاں رہنے والے طلبہ واساتذہ کی وجہ سے جنگل میں منگل کا سماں نظر آتا ہے''۔

[کاروانِ زندگی: ج ۳/ص ۲۱۸-۲۱۹]

اب جامعہ ہدایت میں یہ دوسرا اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کا چالیسواں سیمینار ''شاہ محمد عبدالرحیم نقشبندی مجددی: حیات وخدمات'' کے عنوان پر منعقد ہورہا ہے۔ امید ہے کہ یہ سہ روزہ سیمینار بھی اسی طرح کامیاب ہوگا جس طرح سابقہ سیمنار کامیاب ہوا تھا۔

حضرات! حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ادبِ اسلامی کا جو تصور دیا اور اس تصور کو عملی جامہ پہنا کر اس کے خدوخال کو جس طرح واضح کیا، پھر ایک تحریک بنا کر اس کو مشرق ومغرب میں عام کیا، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں اس کام کی کتنی اہمیت تھی اور اس کام کو وہ کتنا ضروری سمجھتے تھے۔ ۱۹۳۵ء سے چلنے والی ترقی پسند تحریک کے نتیجہ میں جو نسل تیار ہورہی تھی، جو مزاج بن رہا تھا، جو ذہن تیار ہورہا تھا، ادب کے نام پر جس طرح لوگوں کو بے ادب بنایا جارہا تھا، قلم کے ذریعہ جس طرح ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی، رجعت پسندی کے خلاف نعرہ لگا کر، غریبوں، کمزوروں اور مزدوروں کی ہمدردی کی صدا لگا کر، معاشی مساوات کے جھوٹے خواب دکھا کر گمراہی اور بے راہ روی کی جس طرح دعوت دی جارہی تھی، دین، شریعت اور مقدس دینی ہستیوں کا جس طرح مذاق اڑایا جارہا تھا، اسلامی شعائر کی حرمت کو جس طرح پامال کیا جارہا تھا اور ادبی میدان کو ایک خاص طبقہ کی جاگیر قرار دے کر دوسرے طبقہ کے قلم کاروں، انشاء پردازوں اور ادب کے شہسواروں کو اس میدان سے جس طرح باہر کیا جارہا تھا۔

یہ وہ صورتحال تھی کہ اگر اس کا مقابلہ نہ کیا جاتا، قلم کی طاقت کو سمجھ کر اس کا صحیح استعمال نہ کیا جاتا، ادب کے ان نمونوں کو سامنے لا کر اسلامی ذہن رکھنے والے ادباء کا تعارف نہ کرایا جاتا، ادب پر بے ادب لوگوں کی اجارہ داری کو ختم نہ کیا جاتا، تو ہماری نوجوان نسل کا دین پر باقی رہنا مشکل ہو جاتا، کیوں کہ قلم کی طاقت کا جواب قلم ہی سے دیا جا سکتا ہے اور یہ طاقت ہمارے پاس اس طبقہ سے زیادہ ہے بشرط کہ اس کا استعمال کیا جائے اور قلم کو قلم سے ٹکرایا جائے، یہی وہ فکر تھی جس کی دعوت رابطہ ادبِ اسلامی کے بانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہتے ہوئے دی کہ ہمارے علمی، ثقافتی اور دینی ورثہ میں ادبیات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو موضوع کے علمی، دینی، فکری، اصلاحی اور تربیتی ہونے کی وجہ سے ادب میں شامل نہیں کیا جاتا جبکہ وہ اپنی دلکشی، دلآویزی اور اثر پذیری میں ادبی موضوعات پر لکھی گئی تحریروں سے زیادہ مؤثر نظر آتا ہے، ایسے ذخیرہ کو کھنگالنا اور ادب کے ان شہ پاروں کو جو ادب کی شرائط پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ادبی اور فنی خصوصیات کے بھی حامل ہوں، سامنے لانا' یہ وقت کا تقاضہ ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس فکر کے صرف اظہار پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا اور اس طرح اس کی راہ کشادہ کرتے ہوئے اس کو ایک جادۂ کارواں بنا دیا، اس عمل نے عرب ادباء کو خاص طور پر متاثر کیا اور وہ مولانا کے ساتھ شریک قافلہ بنے، اس طرح عالمی رابطہ ادب اسلامی کا عمل جود میں آیا، ۱۹۸۶ء کے آغاز میں ندوۃ العلماء میں ادب اسلامی پر منعقد ہونے والے سیمینار سے رابطہ نے اپنے سفر کی شروعات کی اور الحمدللہ اس وقت سے وہ برابر سرگرم عمل ہے، ادبِ اسلامی کے نئے نئے پہلوؤں پر سیمینار بھی منعقد ہوتے ہیں اور سہ ماہی آرگن میں وہ شائع بھی ہوتے ہیں۔

رابطہ ادبِ اسلامی نے اپنی جدوجہد کے لیے تین میدان منتخب کیے، ان میں سے ایک میدان اسلامی ادب کے تعارف و تشریح کا، دوسرا میدان اسلامی رجحان کے حامل ادباء کی کوششوں کو تقویت پہنچانے کا، تیسرا میدان ادب کے ذخیرہ میں نئے اضافے کا۔

ان میں سے پہلے میدان کا کام تعارفی لٹریچر تیار کرنا، ملاقاتوں اور اجتماعات کے ذریعہ اسلامی ادب کی ضرورت کا احساس دلانا اور ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو رابطہ سے جوڑنا، یہ کام حسب استطاعت انجام دیا جا رہا ہے، دوسرے میدان عمل میں رابطہ نے اپنی استطاعت کے مطابق اسلامی ادب کے کاموں اور ترجمانوں کے ساتھ تعاون کا خاصا کام انجام دیا ہے۔

رابطہ کے تیسرے اختیار کردہ میدان میں قابل ذکر کام رابطہ کی طرف سے منعقد ہونے والے علمی و ادبی مذاکرات ہیں جو تقریباً ہر سال منعقد ہوتے ہیں، اور ان میں پیش کیے جانے والے مقالات ہیں جو رابطہ کے ترجمان ''کاروان ادب'' میں شائع ہوتے رہے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں مقالات کا اچھا ذخیرہ تیار ہو گیا ہے۔

متعدد اہل دل علماء کے ملفوظات کے مجموعے ادب کے بہترین نمونے شمار کیے گئے ہیں۔ انہی اہل دل علماء میں شاہ محمد عبدالرحیم نقشبندی مجددی بھی ہیں جن کی حیات و خدمات پر ہمارا یہ چالیسواں سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔

حضرات! شاہ محمد عبدالرحیم مجددیؒ کا تعلق اس ممتاز سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ سے ہے جس کے سرخیل حضرت امام احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس سلسلہ کی امتیازی شان شریعت اور سنت کی کامل اتباع ہے، اس سلسلہ کے مشائخ ایسے اولیاء، صوفیاء، اتقیاء رہے ہیں جو سنت کی پیروی، ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت، انسان کی کردار سازی اور اصلاح و دعوت کے میدان میں ممتاز ہیں۔

مولانا مجددیؒ کی طبیعت و مزاج میں شکر، امید و نیک فالی، عالی ظرفی، عزم و حوصلہ، اثبات اور استقامت کے جوہر نمایاں تھے۔ زندگی کے تقاضوں پر مثبت و ایجابی انداز سے غور و فکر، عزم و ہمت کے ساتھ نامساعد حالات سے نبرد آزمائی، صحت مند شعور، دینی غیرت و حمیت کے ساتھ دین و دنیا کی خدمت ان کا شعار تھا، ان کے عزم و حوصلہ اور بلند ہمتی کا اثر ان کی مجلس میں بیٹھنے والے پر بھی پڑتا تھا اور وہ بھی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین و ایمان اور عقیدت و محبت میں اضافہ کے ساتھ امید و اعتماد کی گرمی و روشنی محسوس کرتا تھا۔

مولانا مجددیؒ بیک وقت ایک داعی تھے کہ دعوت و تبلیغ کے اجتماعات میں تقریر کرتے، ایک مصلح تھے کہ اسلاف کے طریقہ پر تزکیۂ نفوس و تصفیۂ قلوب کا فریضہ انجام دیتے، تعلیم و تعلم کے شیدائی و عاشق تھے کہ زیادہ سے زیادہ زیور علم

سے آراستہ ہونے اور معرفت سے سنورنے کی دعوت دیتے، آپ رحمہ اللہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا فضل الرحیم مجددی ندوی اور مولانا ضیاء الرحیم مجددی ندوی کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیا، انہوں نے وہاں سے فراغت حاصل کی، مولانا فضل الرحیم مجددی ندوی علمی وادبی ذوق میں امتیاز کے ساتھ دینی وملی فکرمندی میں بھی ممتاز ہیں، صاحب رائے وصاحب فکر ہیں، تعلیم وتربیت میں اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر گامزن اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں کوشاں ہیں اور دوسرے صاحبزادہ مولانا ضیاء الرحیم ندوی دینی، تعلیمی اور ملی میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

حضرات! شاہ محمد عبدالرحیم نقشبندی مجددیؒ کی شخصیت علم وفن اور ادب سے خاص لگاؤ کی وجہ سے جامعیت کا مظہر تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جن کا حضرت مجددی سے گہرا ربط وتعلق تھا۔ لکھتے ہیں:

''مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب سے اول اول کب اور کہاں تعارف ہوا، وہ تو اس وقت حافظہ میں محفوظ نہیں ہے؛ لیکن اتنا ضرور ذہن میں تازہ اور نقش ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے ایسی مناسبت بلکہ موانست محسوس ہوئی جو اپنے خاص سلسلہ کے شیوخ یا ان برادرانِ طریقت سے محسوس ہوتی ہے جو ایک ہی سلسلہ سے منسلک یا ایک ہی مرکز علم وفکر سے وابستہ اور اس کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں''۔

عم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرحیم صاحب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''مولانا شاہ محمد عبدالرحیم صاحب مجددی ایک بڑی دینی واصلاحی شخصیت تھے، جن سے تربیتِ دینی واصلاحِ نفس کے میدان میں بڑا فیض پہنچ رہا تھا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک ملنسار، متواضع اور جامع کمالات بزرگ تھے، ان سے جو ملتا معتقد ومعترف ہوجاتا، انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے دین وملت کی بڑی خدمت انجام دی.....مولانا رحمۃ اللہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، زمانہ کی نبض کو سمجھتے تھے اور اپنی اسی فہم وفراست کے مطابق وہ ملت کے کاموں میں حصہ لیتے تھے اور اصلاح وتربیت کا کام کرتے تھے''۔

والد ماجد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''شاہ محمد عبدالرحیم صاحب مجددیؒ ان نابغۂ روزگار اولیاء، صلحاء اور مصلحین میں سے ہیں جو اپنی روحانیت وللّٰہیت اور فیوض و برکات کی ضیاء پاشیوں سے دور دراز کے علاقوں کو منور اور عطر بیز ہواؤں سے دور دور تک کی فضا کو معطر کردیتے ہیں۔ آپ نے اپنے فیوض و برکات سے مخصوص علاقہ اور مخصوص جماعت ہی کو صرف ان صلحاء کی طرح فیض یاب نہیں کیا جو اپنی خانقاہوں میں مقیم رہتے ہیں اور اپنی تمام تر تربیتی کوششیں ایک ہی ایسی مخصوص جماعت پر مرکوز کردیتے ہیں جو ایک مدت تک ان کی صحبت وتربیت سے مستفید ہوتی ہے، بلکہ نہایت سرگرم عمل اور فعال مصلح ومربی تھے، آپ کے نفس گرم سے ہزاروں کے دلوں میں اجالا تھا اور خلق خدا کی ایک بہت بڑی تعداد کے قلوب میں محبت کی روشنی اور گرمی تھی، علم وعرفان کے اس گوہر شب چراغ سے ایک پورا علاقہ جگمگا رہا تھا اور سلسلہ مجددیہ کا یہ فیض دور دور تک جاری وساری تھا''۔

حضرات! ہمارے اس سہ روزہ سالانہ (۴۰ ویں) سیمینار کا موضوع شاہ محمد عبدالرحیم نقشبندی مجددیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی، خدمات اور وہ ملفوظات ومواعظ ہیں جو دل پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ اس کی دنیا ہی بدل دیتے ہیں، زبان کی شگفتگی، بیان کی دل آویزی، جذبات کی تپش، تخیل کی بلندی، لہجہ کی مٹھاس اور محبت میں گندھی ہوئی تعبیرات، مخاطب کی رعایت، موقع کا لحاظ، الفاظ کا حسن انتخاب اور پھر اخلاص کی تاثیر ان کے کلام کو اس بلندی پر پہنچادیتی ہے جہاں ادب کی وردی میں ملبوس اور اس وردی پر ادب کے میڈل سجائے نامی گرامی ادباء بھی نہیں پہنچ سکتے۔ رابطہ ادب اسلامی کا مقصد ان جیسی شخصیات کو سامنے لانا اور ان کے کلام سے لوگوں کو متعارف کرانا ہے۔

اخیر میں ہم جامعہ ہدایت کے سربراہ اعلیٰ شاہ فضل الرحیم نقشبندی مجددی ندوی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا، ہمیں امید ہے کہ اس سہ روزہ سیمینار میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ سیمینار علمی، ادبی اور تربیتی لحاظ سے مفید ثابت ہوگا۔ دعا کرتے ہیں کہ اس سیمینار سے علمی اور ادبی فائدہ حاصل ہو۔

☆☆☆☆☆

اصلاحِ حال

کیا آپ موجودہ حالات کو بدلنا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

☆ ملت اسلامیہ آج نوع بنوع مسائل سے دوچار ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک ایسی بیمار ملت ہے جو کسی ایک بیماری میں مبتلا نہیں بلکہ متعدد بیماریوں نے اسے نڈھال کردیا ہے۔ مگر الحمد للہ کینسر، ایڈس یا کوئی لاعلاج بیماری اسے لاحق نہیں ہے اور نسخۂ شفا بھی اس کے پاس ہے جسے خوبصورت جزدان میں لپیٹ کر نہایت ادب واحترام سے اس نے اپنی الماری میں رکھ رکھا ہے، اس تناظر میں ملت کو چند ضروری کام انجام دینے ہیں۔

☆ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنی بیماری کی شناخت کرے۔ اس کے اسباب وعلل کا تجزیہ کرے۔ صحیح دوا کا استعمال اور مکمل پرہیز کا اہتمام کرے۔ اسے یہ احساس ہوجائے کہ دنیا میں اسے دوسری قوموں کی بیماری دور کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ خود صحت مند رہے بلکہ دوسرے بیماروں کے لیے بھی مسیحا بن کر کھڑی ہوجائے۔

☆ آج ملت اسلامیہ اپنی حیثیت، اپنے مقام اور فرض منصبی کو بھول گئی ہے۔ وہ عرفانِ ذات کی اس دولت سے محروم ہوگئی ہے جسے اقبالؒ نے ''خودی'' سے تعبیر کیا تھا اور جس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) ملت کو اس کا اصل مقام ومنصب یاد دلایا جائے کہ اللہ نے اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔

☆ آج ہماری نئی نسل فلمی اداکاروں اور کرکٹ کے کھلاڑیوں کو خوب جانتی ہے۔ ان کے ریکارڈ بھی رکھتی ہے مگر وہ امام غزالیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، بوعلی سیناؒ، فارابیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مجدد الف ثانیؒ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ضرورت ہے کہ ہم نئی نسل کو اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے متعارف کرائیں تاکہ اس کا احساس کمتری بھی دور ہو اور اسے معلوم ہو کہ تہذیب وثقافت اور سائنس وٹکنالوجی ہماری میراث ہے اور اس میدان میں آج بھی ہمیں سب سے آگے پہنچنا ہے۔

☆ ہر شخص اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔ خود اپنی ذات، اپنی فیملی، اپنے گھر، اپنے محلّے، اپنے شہر اور اپنے ضلع کے بارے میں فکر کرے۔ عملی پروگرام بنائے اور من حیث المجموع اپنے معاشرے کو اونچا اٹھانے کی کوشش کرے۔ کسی بڑی پلاننگ کے بجائے اگر ہر محلّے کے لوگ یہ طے کرلیں کہ ان کے محلّے کا ایک بچہ بھی ان پڑھ نہیں رہے گا۔ آپ دیکھیں گے کہ دس سال میں ہمارے معاشرے کی کایا پلٹ جائے گی۔ ہر شخص آل انڈیا یا آل ورلڈ تنظیم بنا کر کام کرنا چاہتا ہے۔ اپنے محلّے، اپنی بستی کو نظر انداز کردیتا ہے۔ اس صورت حال کو تبدیل ہونا چاہیے۔ ہم ''ملت اکیڈمی'' کے ذریعے اپنے گاؤں اور قرب وجوار میں جو کام کررہے ہیں اس کو بھی ایک مثال کے طور پر سامنے رکھا جاسکتا ہے۔

☆ مدارس ومکاتب اپنے نصاب ونظام تعلیم میں تھوڑی سی تبدیلی کرلیں تو اس کے بڑے دور رس نتائج نکل سکتے ہیں۔ مکاتب میں بچوں کو ناظرہ ودینیات اور اردو کے ساتھ اتنی ہندی، انگریزی اور ریاضی بھی پڑھا دی جائے کہ ان کا داخلہ پانچویں کلاس میں ہوجایا کرے۔ اسی طرح بڑے مدارس جہاں عربی ادب، صرف ونحو، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے وہ فارسی کی جگہ انگریزی وہندی اور منطق کی جگہ سائنس پڑھانے لگیں تو اس کے بڑے دوررس اثرات ظاہر ہوں گے۔ ہمارے اسلاف نے فارسی کو داخل نصاب اس وقت کیا تھا جب یہ سرکاری زبان تھی۔ اب ہماری زبان ہندی اور بین الاقوامی زبان انگریزی ہے تو ہمارے علماء کرام کو چاہیے کہ اپنے طلبہ کو یہ زبانیں سکھائیں۔ اسی طرح منطق وفلسفے کے علوم کی تدریس کا رواج اس وقت ہوا جب یونانی فلسفہ ومنطق کے ذریعہ اسلام پر حملے کیے گئے تو ہمارے اسلاف نے انہیں کے علوم سیکھ کر ان کو جواب دیا۔ آج سائنسی علوم کا دور ہے اور انہیں علوم کو سیکھ کر نہ صرف یہ کہ اسلام کا دفاع کیا جائے بلکہ اس کی حقانیت کو واضح کیا جائے۔

☆ قرآن وحدیث کی تدریس بھی اس انداز سے ہو کہ موجودہ مسائل ومقتضیات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت طلبہ میں پیدا ہو اور ان کی تعلیمات کو

موجودہ حالات پر منطبق کیا جائے اسی طرح عربی ادب اور صرف ونحو کو محض رٹنے رٹانے کے بجائے ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔

☆ لڑکیوں کی تعلیم پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔بعض دینی حلقوں میں انہیں جدید علوم پڑھانا حرام سمجھا جاتا ہے۔ یہ صورت حال نہایت تشویشناک ہے۔لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں سے زیادہ ضروری ہے۔اس لیے کہ آگے چل کر انہیں کی گود میں بچے پروان چڑھتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے معاشرے میں حضرت عائشہؓ سے مرد بھی مسئلے معلوم کرنے آیا کرتے تھے گویا کہ ایک خاتون کو اتنا علم سکھایا گیا تھا کہ وہ مردوں پر بھی فوقیت رکھتی تھیں۔ جب تک مسلم معاشرے میں خواتین کی حصے داری کو مؤثر نہیں بنایا جائے گا اور وہ اپنا رول ادا نہیں کر سکے گی اس وقت تک مسلم معاشرے کی گاڑی نہیں چل سکے گی۔

☆ معاشی طور پر پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے دور رس منصوبہ بندی اور عمل آوری کی ضرورت ہے۔اقلیتوں کے لیے بہت سی سرکاری اسکیمیں پاس ہوتی ہیں مگر ملت کے عوام کو نہ ان کا علم ہو پاتا ہے اور نہ ان سے استفادے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح کی اسکیموں اور ان سے استفادے کی خوب تشہیر کی جائے۔ایک عام اندازے کے مطابق ہماری تعداد ہندوستان میں پچیس کروڑ ہے تقریباً ہر شخص صدقۂ فطر ادا کرتا ہے اگر صدقۂ فطر کی رقم پچیس روپے مان لی جائے تو تقریباً چھ ارب روپے صرف صدقۂ فطر کے نکلتے ہیں۔زکوٰۃ کی رقم صدقۂ فطرے سے کئی گنا زیادہ نکلتی ہے۔گویا کہ ساٹھ ستّر ارب کی کثیر رقم مسلمان رمضان میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کے طور پر نکالتے ہیں۔اگر اس رقم کو جمع اور خرچ کرنے کا اجتماعی اور منظّم بندوبست کرلیں، فقراء ومساکین، مدارس وطلبہ اور ضرورت مندوں کے وظائف کے ساتھ بے روزگاری دور کرنے کے لیے اس رقم کو خرچ کیا جائے اور ہر سال منصوبہ بند طریقہ سے کئی لاکھ لوگوں کو روزگار فراہم کیا جائے تو مسلمان بہت جلد معاشی طور پر مضبوط ہوجائیں گے۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب زکوٰۃ کا اجتماعی نظم قائم کیا گیا تو مسلم معاشرے میں ایک شخص بھی مفلس اور بے روزگار نہ تھا۔ لوگ اپنی زکوٰۃ لیے لیے پھرتے تھے مگر کوئی لینے والا نہ ملتا تھا کاش مسلمان آج بھی زکوٰۃ کا اجتماعی نظم قائم کرسکیں۔

☆ وقت کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم مسلکی اختلافات کو فروعات کا درجہ دیں۔ انہیں اصول کا درجہ نہ دیں۔اصولی طور پر ملت اسلامیہ ایک جسد واحد کی مانند ہے۔ ہمارے اندر کشادہ دلی، توسع، وسعت ظرف ونظر ہو۔ایک دوسرے کی رائے کو محترم سمجھیں۔مشترک مسائل مل جل کر حل کرنے کی اسپرٹ پیدا کریں ایسے مواقع پر اپنی ''انا'' کو آڑے نہ آنے دیں۔ ملت ہماری اپنی ذات، ہماری سوچ، ہمارے مسلک، ہماری جماعت ،ہمارے مکتب فکر سے زیادہ اہم ہے اس لیے ملت کے لیے اپنی ذاتی اور مسلکی مفادات کو قربان کردینے کی عادت ڈالنی چاہیے۔اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دینے کا مزاج بنانا چاہیے۔

☆ اقتدار ایک ایسی طاقت ہے جس کے ہاتھ میں ملک کی لگام ہوتی ہے۔اس لیے اقتدار اور ملکی سیاست پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ملت کا اپنا ایک Political Setup ہونا چاہیے۔ موجودہ حالات میں یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کی اپنی ایک سیاسی پارٹی ہو اور نہ ہی یہ مفید ہے البتہ ان کا اپنا ایک Group ضرور ہونا چاہیے۔ملت کے قائدین کو یہ طے کرنا ہوگا کہ سیاسی دنیا میں ان کا وزن اور وقار کس طرح بلند ہوسکتا ہے اور ملکی سیاست پر وہ کس طرح اثر انداز ہوسکتے ہیں؟ اس کے لیے انہیں اپنی پسند وناپسند کا معیار بدلنا ہوگا اور ملت کے لیے اپنی پسند کی قربانی دینا ہوگی۔

☆ ہماری ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے مسائل پیدا کرتے ہیں۔کسی کی ترقی ہماری آنکھ کو نہیں بھاتی۔اسے نیچے کھینچ لانا، اس کی راہوں میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہمارا مزاج بن گیا ہے۔یہ مزاج ہمیں بدلنا ہوگا۔نہ صرف یہ کہ دوسروں کی ترقی پر خوش ہونا بلکہ لوگوں کو اوپر اٹھانے کو اپنا شیوہ بنانا ہوگا۔کم از کم یہ مزاج تو بنانا ہی ہوگا کہ اگر ہم کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو اپنی ذات سے کسی کو نقصان تو نہ پہنچائیں۔

☆ ایک اہم کام یہ ہے کہ ہماری ملت مختلف رسوم وخرافات میں مبتلا ہے۔اس کا قیمتی وقت اور پیسہ لایعنی رسموں کی ادائیگی میں صرف ہورہا ہے۔ملت کو ان خرافات ورسوم سے نکال کر اسراف وفضول خرچی سے بچائیے۔شادی بیاہ کی فضول رسمیں، تیوہار وتقریبات کی غیر اسلامی شکلیں، لایعنی وفضول دعوتیں، ان سب میں ملت کا قیمتی سرمایہ اور وقت ضائع ہوتا ہے۔یہی سرمایہ اور وقت اگر ملت کے مثبت، ایجابی اور تعمیری کاموں میں خرچ ہو تو اس سے ملت کے بہت سے تشنہ اور ضروری کام پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قلم نَو بہار

نونہالوں کی دینی تربیت

سید رشید احمد حسنی ندوی

ہم موجودہ حالات میں اپنے بچوں کو دینی مکتب کی تعلیم میں ڈالیں اور ان کی تربیت کریں تاکہ ہمارے بچے دین سے ناواقف نہ ہوں اور ان کے عقائد درست رہیں ، مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ہم کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ بالکل ابتدائی اور گھر سے نکل کر مکتب کی جو تعلیم ہے اس میں ہم اسلام کے صحیح عقائد اپنے بچوں کے دلوں اور ذہنوں میں اتار دیں اور ان کو اسلامی قدروں سے واقف کرادیں تاکہ ان کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے ورنہ پہلے مرحلہ میں جب شرک وکفر کی باتیں سنیں گے تو وہی ان کے دلوں میں راسخ ہو جائیں گی اور یہ سمجھئے کہ زندگی بھر وہ راسخ رہیں گی، اور اس کا وبال انہیں کو نہیں ہوگا؛ بلکہ ان کے ماں باپ کو بھی ہوگا، اور اب تو ہم دیکھتے ہیں وہ وبال صرف دینی وبال نہیں؛ بلکہ وہ وبال اور مصیبت سیاسی طور پر بھی اور معاشی طور بھی اور ثقافتی طور پر ہوتی ہے، آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیا حالات ہیں کہ ہم اپنے دین کی طرف سے اگر غافل ہوتے ہیں، اپنی نسل کو دین سے واقف نہیں کراتے ہیں تو ہم کو مذہبی نقصان نہیں پہونچتا ؛ بلکہ کئی جہت سے نقصان پہونچتا ہے، سیاسی میدان میں بھی ہم کو نقصان پہنچتا ہے، ہمیں بحیثیت امت کے اپنی خصوصیات کو باقی رکھنا ہے ورنہ ہم بالکل گھل کر ختم ہو جائیں گے چاہے نام وہی رکھیں، اس کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، اور نام بھی ختم ہو جائے گا جیسا کہ دنیا کے کئی ملکوں میں ایسا ہو چکا ہے جو لوگ موجودہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ کئی ایسے ہیں کہ جہاں اب نام بھی باقی نہیں رہا اور پہچاننا مشکل ہے، کوئی فرق نہیں، نہ وہ فرق سمجھتے ہیں؛ البتہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے دادا مسلمان تھے۔

ہم کو اس بات کی فکر کرنی ہے کہ ہمارا بچہ شروع سے دین سے ناواقف نہ ہو اس لیے کہ شروع سے اگر اس کے دماغ میں مشرکانہ عقائد بٹھا دیے جائیں یا مشرکانہ قدریں اس کے ذہن میں اتار دی گئیں تو آسانی سے انہیں نکال نہیں سکتے، ہمیں اپنے گھر کے ماحول اور گھر کے جو انتظامات ہوتے ہیں، ان میں بھی اس کی فکر کرنی ہوگی اور مکتب کی تعلیم جیسے پہلے اس کا ایک انتظام تھا اور اب اس کا انتظام دوسری شکل میں ہوسکتا ہے، پہلے یہ تھا کہ بچہ گھر سے باہر نکل سکتا تھا تو مسجد میں باہر کے مولوی سے الف با اور پارہ عم وغیرہ پڑھ لیا کرتا تھا اور کچھ دینی قدریں اور دینی عقائد ہیں، وہ جا کر مسجد میں مولوی صاحب سے سیکھ لیا کرتا تھا اور پھر اس کی تعلیم شروع ہوتی تھی، اب یہ سب ختم ہو گیا، اب ہمارے بچے کی تربیت کون کرتا ہے؟ ٹیلی ویژن کرتا ہے اور بچہ ذرا بڑا ہو جاتا ہے تو اخبارات ورسائل کرتے ہیں اور یہ بتانے کی ضرورت ہے ہی نہیں کہ ٹیلی ویژن کیا سکھاتا ہے؟ اور آجکل ہم لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ ہمارا بچہ ہماری طرح ہوگا تو ایسا ممکن نہیں، یہ نہیں کہ وہ کوئی معدنی چیز ہے کہ جیسے کان سے نکلا ویسے ہی رہے گا، یہ انسان ہے، انسان پر تربیت وتعلیم کا بہت اثر پڑتا ہے جس ماحول میں اور جس طریقہ تعلیم میں اور جن مقاصد کے ساتھ اس کو سکھایا پڑھایا جائے وہی اس کو آئے گا، تمناؤں سے کام نہیں چلے گا، ہمارا بچہ ہمارے جیسا کیا ہمارا مخالف بھی ہوسکتا ہے کہ بعد میں اسکو دیکھ کر سوائے کڑھن کے اور سوائے افسوس کے اور کچھ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا، اس کا خطرہ ہے اگر ہم نے شروع سے انتظام نہیں کیا، اور انتظام کا مطلب میرا یہ نہیں ہے کہ دینی تعلیم دیدی جائے نہیں؛ بلکہ جو کمی اور نقصان ہوسکتا ہے عصری اور جدید تعلیم سے، اس نقصان کی ہم فکر کریں اور اس کی تلافی کے انتظامات کریں اور یہ بغیر احساس کے نہیں ہوسکتا ہے، احساس کی بڑی ضرورت ہے، ہم سمجھیں اپنی پوزیشن کو، اپنی کمی کو اور اپنے مستقبل کو بھی سوچیں کہ مستقبل میں کیا ہونے جا رہا ہے اور پھر اس کے مطابق ہم فکر کریں تو ان شاء اللہ ہم اس پوزیشن میں ہوں گے کہ دوسروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور ہم دوسروں سے پیچھے نہیں رہیں گے؛ بلکہ ہم دوسروں سے بہتر رہیں گے۔

اس لیے کہ ہماری جو قدریں ہیں وہ بڑی اعلیٰ ہیں، وہ انسانیت کو بھی فروغ دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ صلاحیتیں پیدا کرتی ہیں جو دوسری قدروں سے پیدا نہیں ہوتیں، بچپن کا نقش، نقش کالحجر ہوتا ہے تو جب ہم کسی مدرسہ یا کسی اسلامی اسکول کو دیکھتے ہیں تو یہ باتیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں اور ہم اس اسکول و مدرسہ کی بہت قدردانی کا اظہار کرتے ہیں،.....

.....بقیہ صفحہ ۳۰ پر

یقیں محکم

ایمان واستقامت کا پیکر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک صدی قبل کا واقعہ ہے کہ ملک یمن میں یوسف ذونواس نامی ایک یہودی بادشاہ تھا، جو مسیحی مذہب کا سخت مخالف تھا اور توحید پرستوں کے لیے تیغ براں، اس کے دربار میں نجومیوں اور جادوگروں کو بڑا رتبہ حاصل تھا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک سن رسیدہ نجومی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری وفات کا وقت قریب ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے علم کا وارث کسی ہوشیار اور ہونہار شخص کو بناؤں۔ بادشاہ نے نجومی کی یہ درخواست منظور کی اور فن نجوم کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا لڑکا منتخب کیا جس کی پیشانی سے سعادت مندی اور ذہانت کے آثار ہویدا تھے۔

تاریخی روایات میں اس نوجوان کا نام عبد اللہ بن تامر بیان کیا گیا ہے، اس نوجوان نے شاہی فرمان کی بسر وچشم تعمیل کی، مگر اس کے بخت نے یاوری کی اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال رہی جس کی بنا پر اس کا دل مذہب حق کی طرف مائل ہونے لگا، بالآخر اس نے اپنے وقت کے مسیحی عالم ورہنما کی نیک صحبت اختیار کی اور ان کے ارشادات وفرمودات سے مستفید ہونے لگا، راہب کی تعلیمات پر نوجوان کا یقین بڑھتا گیا، حتی کہ نجومی کی تعلیمات کے بجائے راہب کی تعلیمات اس کی دلچسپی کا تمام تر محور بن گئیں۔

ایک تعلیم وہ تھی جو سراسر لغویات اور جھوٹ سے لبالب تھی اور دوسری تعلیم وہ تھی جس کا مصدر ومنبع وحی الٰہی اور شرع پیمبری تھی، بیک وقت دو متضاد نظام تعلیم اور مختلف صحبتوں نے نوجوان کو ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا، جس سے آزادی کا بظاہر کوئی حل اس کے پاس موجود نہ تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نوجوان راہب کے پاس سے واپس ہو رہا تھا، اس نے راستہ میں دیکھا کہ ایک شیر لوگوں کا راستہ روکے کھڑا ہے اور تمام لوگ پریشان اور خوف زدہ ہیں، خوف وہراس کا یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں ایک عجیب خیال آیا، اس نے سوچا کہ میں اللہ کی ذات کو کارسازِ حقیقی تصور کرتے ہوئے اس شیر کے ایک پتھر ماروں گا، اگر راہب کی تعلیمات سو فیصد سچ ہوں گی تو یقیناً اللہ اس پتھر سے شیر کو ہلاک کردے گا اور اگر نجومی کی تعلیمات برحق ہوں گی تو یہ شیر کبھی ہلاک نہ ہوگا، نوجوان نے اپنی اسی قوتِ ایمانی کے ساتھ اللہ سے لو لگاتے ہوئے شیر کو پتھر مارا اور شیر فوراً ہلاک ہو گیا، اس واقعہ نے نوجوان کے دل میں ایمان کی حقیقت اور مسیحی مذہب کی صداقت جاگزیں کر دیں۔

نوجوان کا یہ عمل یقیناً تمام لوگوں کے لیے بھی باعث حیرت واستعجاب تھا، پورے شہر میں نوجوان کے اس کارنامہ کا شہرہ ہو گیا اور وہ نوجوان ہر شخص کی توجہ کا مرکز بنتا چلا گیا، انسانی طبائع کی کمزوری ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر خرق عادت واقعات کا صدور ہو جائے تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنی تمام حاجات اسی سے مانگتے ہیں، چنانچہ اس نوجوان سے بھی لوگوں نے اپنے مختلف مطالبات رکھے، کسی نے اپنی آنکھوں کی بینائی واپس لانے کی درخواست کی تو کسی نے اپنی دنیاوی حاجت براری کا مطالبہ کیا، نوجوان نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ اگر اللہ پر ایمان لے آؤ اور مسیحی مذہب قبول کر لو تو تمہاری ضرورت یقیناً پوری ہو جائے گی، بلاشبہ مسیحی مذہب کی تبلیغ واشاعت کا یہ ایک سنہرا موقع تھا، جس میں ہزاروں افراد ایمانی حلاوت سے آشنا ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور مسیحی مذہب ہر خاص وعام کا موضوع گفتگو بن گیا۔

یہودی بادشاہ کے لیے اس کی ریاست کا یہ منظر نامہ کسی طرح قابل قبول نہ تھا، اس نے فوراً اس نوجوان کو طلب کیا اور ساتھ ہی اس راہب کو بھی بلایا جس کی نیک صحبت اور مذہبی تعلیمات نے نوجوان کو مسیحی مذہب کی اشاعت کا ایک مؤثر ذریعہ بنا دیا تھا، بادشاہ کا حکم ہوا کہ راہب کو قتل کر دیا جائے اور نوجوان کو اتنی آسان موت ہرگز نہ دی جائے، بلکہ پہاڑوں کی اونچائیوں پر لے جا کر نیچے دھکیل دیا جائے، تاکہ یہ سب لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن سکے، مگر خدا کا فیصلہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس کو پہاڑوں پر لے کر گئے وہ سب ہلاک ہو گئے اور وہ صحیح سالم واپس لوٹ آیا، جب بادشاہ نے اس کو زندہ دیکھا تو غصہ سے بپھر اٹھا اور اس کو سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا، مگر وہ نوجوان اس مرتبہ بھی زندہ بچ گیا اور جو لوگ لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے، اب بادشاہ اپنے تمام تر وسائل اور طاقت وقوت کے باوجود

بھی بے بس ومجبور تھا، حق وباطل کی معرکہ آرائی میں باطل سرعام رسوا اور ذلیل ہورہا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ جوق درجوق مسیحی مذہب کے معتقد ہوتے جارہے تھے۔

بادشاہ کی جھنجلاہٹ اور غم وغصہ دیکھ کر نوجوان نے بذات خود ایک تجویز پیش کی کہ اگر وہ اس کو مارنا چاہتا ہے تو ایک تیر لے اور "بِاسْمِ رَبِّ هَذَا الْغُلَامِ" (اس لڑکے کے رب کے نام سے) کہہ کر اس کو مارے تو وہ مرجائے گا، اس تجویز پر عمل کیا گیا اور وہ نوجوان فوراً جاں بحق ہوگیا، راہِ حق میں اس ایک فرد کی شہادت ہزاروں لوگوں کے لیے ایک خاموش دعوتِ اسلام ثابت ہوئی۔

بادشاہ کو مسیحیت کی یہ پرزور اشاعت کسی طرح گوارہ نہ تھی، پہ در پہ کی پسپائی اور رسوائی سے وہ ضد وانتقام کا پتلا بن چکا تھا، اس نے فوراً اپنے ارکان سلطنت کو جمع کیا اور سب سے مشورہ لیا، جس میں یہ طے ہوا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود کر ان میں آگ جلائی جائے، پھر جو شخص بھی مسیحی مذہب کا پیرو نظر آئے اس کو نذر آتش کردیا جائے، اس شاہی فرمان پر سختی سے عمل ہوا، مگر اہل ایمان توحید پرستی کا ایسا جام نوش کرچکے تھے جس کے بعد ہر مصیبت اور آزمائش سے گذرنا آسان تھا، اسی لیے شاہی قوت وسطوت ان کے راستہ میں حائل نہ ہوسکی اور نہ ہی روح فرسا ایذائیں ان کی ہمتیں پرست کرسکیں، بلکہ وہ عزیمت واستقامت کے ایسے کوہِ گراں ثابت ہوئے کہ باطل بزور بازو بھی ان کی قوت ایمانی کو متزلزل نہ کرسکا، حد تو یہ ہوئی کہ جب ایک عورت اپنے چھوٹے بچہ کی خاطر آگ میں کودنے پر جھجکنے لگی تو وہ بچہ ماں کی گود سے بول اٹھا کہ اے ماں! صبر کرو اور آگ میں بلاخوف وخطر کود جاؤ، کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

راہ حق کے ان شہیدوں اور جانبازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بلند الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

"قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ، النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ، إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ، وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ، وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ، الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" [البروج: ٤-٩] (ہلاک ہوں کھائیاں کھودنے والے جو ایندھن والی آگ سے بھری تھیں، جب وہ وہاں بیٹھے تھے اور وہ اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کررہے تھے اس کے تماشائی تھے اور انہوں نے ان سے صرف اس کا انتقام لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو غالب ہے ستائش کے قابل ہے، جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے)۔

یہ واقعہ ایمانی قوت اور توحید پرستی کے مظاہر کی اعلیٰ مثال ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایمانی حرارت کے سامنے ہر طاقت ہیچ ہے، باطل خواہ کتنا ہی مضبوط اور ہمالیائی عزائم کا حامل ہو، مگر اہل ایمان کے صبر واستقامت کے سامنے سب گرد ہے، اگر اہل ایمان اپنے اندر مطلوبہ صفات پیدا کرلیں تو انسانی طاقتیں ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں، بلکہ وہ جان دے کر بھی اپنے مشن کو فروغ بخش سکتے ہیں۔ اس واقعہ میں نوجوان کے عمل سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ نیک صحبت کی اہمیت وضرورت بہرحال ہر شخص کو ہے، یہ نیک صحبت ہی کا فیض تھا جس نے نوجوان کو نجومی تعلیمات سے مستغنی کیا اور برحق مذہب کی محبت اس کے دل میں جاگزیں کردیں اور وہ رہتی دنیا تک کے لیے عبرت ونصیحت کی ایک بہترین مثال بن گیا۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۸ کا

اس لیے کہ وہ ایک بیج ہے، اس سے ایک تناور درخت پیدا ہوسکتا ہے، بعض وقت ایک چھوٹی سی چیز انسان کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہے، گھر کے اندر آپ بچے کے دل میں جو بیج ڈال دیں گے اور پھر مکتب میں اس کو جو سکھا دیں گے وہ زندگی بھر اس کا ساتھ دے گا، اس کو معمولی چیز مت سمجھئے ہمارے گھروں میں جو تربیت ہورہی ہے وہ ہماری مرضی کے خلاف ہورہی ہے، ٹیلی ویژن سے جو تربیت ہوگی اور ہورہی ہے، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر جو کچھ دکھایا اور بتایا جاتا ہے وہ ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے، نہیں؛ بلکہ وہ اپنا نقش چھوڑ جاتا ہے اور بچوں کے اوپر تو بہت زیادہ نقش چھوڑتا ہے اس لیے کہ اس کا دل کھلا ہوا ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جو نئی ہوگی اور اس کو ملے گی، اس کو وہ قبول کرے گا۔

ہم اگر اس کو روک نہیں سکتے تو اس کے علاج کے طور پر ہمیں ایک چیز اختیار کرنی پڑے گی، جو تعلیم کا نظام ہے اس سے ہم بچ نہیں سکتے؛ لیکن ہمیں اس ماڈرن تعلیم کے نقصانات سے اپنے بچوں کو بچانا ہوگا؛ لیکن یہ کب ہوگا جب ہمیں اپنی ضرورت کا احساس ہو تو تعلیم کے سلسلہ میں جو انتظام ہو چاہے مدرسہ ہو، چاہے مکتب ہو چاہے اسکول ہو جس میں اسلام اور مسلمانوں کی رعایت ہوتی ہو ان تمام کی قدر کرنے کی ضرورت ہے اور تعاون کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس کی فکر کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

رسیدِ کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: مکتوبات مرشدِ امت
مرتب: مولانا ناصر سعید اکرمی

اکابر کے 'مکتوبات' یا 'مکاتیب' یا 'خطوط' ایک ادبی صنف ہونے کے ساتھ ہمیں بڑی اہم معلومات بھی فراہم کرتے ہیں، اوران سے راقم ومرقوم الیہ کے مابین تعلقات کی نوعیت وکیفیت اوران تعلقات کے آداب واخلاق کا بھی علم ہوتا ہے۔مکتوب نگار اگر ادبی حیثیت کا حامل ہو، اچھا انشاء پرداز ہواور لسانی رموز سے واقفیت رکھتا ہو تو خطوط نویسی اک ایسی ادبی صنف ہے جو مکتوب نگار کی شخصیت کے جن پہلوؤں کو بھی ظاہر کرتی ہے، پوری سچائی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خط نویسی میں یہ احساس غالب رہتا ہے کہ یہ مضمون مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے مابین ہی ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں، یا یوں کہیے کہ یہاں انشاء پرداز کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ وہ اپنی ادبی صلاحیت اورفنی مہارت کا مظاہرہ کرکے اپنا ادبی مقام ثابت کرے؛ اس لیے اس کے قلم سے جو بھی وارد ہوتا ہے وہ اپنے اسلوب وبیان میں ہر طرح کے تعمد سے پاک ہوتا ہے؛ وہ ایک بے ساختہ اور بے تکلف تحریر ہوتی ہے جس میں راقم کی طبیعت کھل کر خود کا اظہار کرتی ہے اوراس سے پیدا ہونے والا تاثر سچا ہوتا ہے۔ جب کہ اس کے علاوہ باقی تمام ادبی اصناف میں یہ خیال دامن گیر رہتا ہے کہ وہ ہر غیر وخویش کے لیے ہیں؛ اس لیے وہاں ادب نگار احتیاطی پہلو سامنے رکھتا ہے، کہ قارئین کے ذہنوں میں اس کی تحریر سے قائم ہونے والا شخصیاتی تصور کہیں مجروح نہ ہوجائے، جس سے اس کی طبعی یا شخصی خامیاں پردۂ خفا میں ہی رہ جاتی ہیں۔غور کیجیے کہ ادب کی سب سے نفیس اوراعلیٰ قسم شاعری ہے، جس کے بارہ میں تصور کیا جاتا ہے کہ وہ شاعر کی شخصیت کی سب سے سچی عکاسی کرتی ہے؛ لیکن ہم کئی ایسے شاعروں کو جانتے ہیں جن کے کلام وطبع میں کافی فرق پایا جاتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات تضاد تک دیکھا گیا ہے۔اس سلسلہ میں عرب کے معروف شاعر ابوالعتاہیہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، جس کی شاعری نے اس کو 'شاعر الزھد' کا لقب عطا کیا؛ لیکن اس کے شخصی احوال کا مطالعہ کریں تو اس کی بخیل طبیعت کا علم ہوتا ہے.....، بھلا کہاں بخل اور کہاں زہد!!

ماسبق سے مکتوبات کی یہ اہمیت بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ علمی، فنی، فکری، تعلقاتی مضامین پر مشتمل ہونے کے ساتھ لفظ وتعبیر اوراسلوب وبیان دونوں میں بھرپور صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور حقیقت کو پیش کرتے ہیں۔اسی اہمیت کے پیشِ نظر اہلِ اردو نے بھی مشاہیر علم وادب کے مکاتب کی جمع وتالیف کا کام کیا ہے، جن سے علم وتحقیق اور تاریخ کے میدانوں میں بھی بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اک ایسی شخصیت ہیں جن کو عالمِ اسلام کی ہر دلعزیز شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت کا امتداد سمجھا جاتا ہے؛ انھوں نے تقریباً ان تمام تحریکوں، اداروں اور دانش گاہوں میں مفکر اسلام کی نیابت کی جن سے مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ وابستہ تھے، اور وہ وہی وسعتِ قلبی، وسعتِ ذہنی اور وسعتِ ظرفی رکھتے تھے جو ان کے مربیؒ رکھتے تھے؛ اس لیے ان کے تعلقات میں بہت زیادہ تنوع تھا، اور ہر مکتبِ فکر سے وابستہ افراد ان سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، اور ملاقات نہ ہونے کی صورت میں رابطہ و استفادہ کے لیے دیگر عصری وسائل کے علاوہ خط و کتابت کا ذریعہ بھی استعمال کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے عمرِ مدید عطا فرمائی، جس کو انھوں نے عبادت وریاضت اور تعلیم وتعلم کے علاوہ خدمتِ اسلام و اہلِ اسلام میں صرف کیا، اور ایک خلق نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ وہ عالمِ فاضل بھی تھے، ادیب ولغوی بھی تھے، مؤرخ وتجزیہ نگار بھی تھے اور احسان وتزکیہ کے باب میں بھی خاص درک رکھتے تھے، اس لیے ان کے مکاتیب بھی گوناگوں فوائد پر مشتمل ہیں۔

یہ مکتوبات جن کو مولانا محمد ناصر سعید اکرمی نے جمع کیا ہے اکثر احسان وتزکیہ کے فوائد پر مشتمل ہیں، گرچہ دیگر فوائد بھی اپنے تنوع کے ساتھ تعداد میں کچھ کم نہیں۔مرتب کی تعریف کرنی ہوگی کہ انھوں نے اس جمع وتالیف میں بڑی تگ و دو سے کام لیا، اور قطرہ قطرہ، دانہ دانہ ان مکاتیب کو اکٹھا کیا، اس کی دلیل یہ ہے ان مکاتیب میں بہت سے مکتوب الیہ شخصیات ایسی ہیں جن سے

محض ایک ایک دو دو ہی خطوط حاصل ہو سکے۔

یہ مکتوبات جو کل ۸۰ شخصیات کے نام ہیں، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بڑی تعداد میں ایسے خطوط بھی ان میں شامل ہیں جو نوجوان نسل کے خطوط کے جوابات ہیں، اور ان سے امت کے نوجوان فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور کل ملا کر دیکھیں تو کئی نسلوں کے لوگوں کے نام یہ خطوط ہیں، آخری خط عربی میں ہے جو عالمِ اسلام کی معروف شخصیت شیخ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ کے نام ہے۔

مکتوبات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر مکتوب نئے رنگ میں اور نئے موضوع کے ساتھ ہوتا ہے، اور بعض خطوط میں تو ایک ہی میں کئی کئی موضوعات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ مکتوبات مرشدِ امت میں یہ چیز بہت نمایاں ہے، جو قاری کی دلچسپی کو بڑھا دیتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسلت کئی دہوں پر محیط ہے، اور ان کا ابتدائی عمر کا دور یا اس کا نصفِ بہتر اس زمانہ کا ہے جب نہ موبائل تھا، نہ انٹرنٹ، فون کالز بھی مشکل سے اور شاذ و نادر ایمرجنسی میں کی جاتی تھیں، اس وقت مراسلت ہی رابطہ کا واحد ذریعہ تھی، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابھی بڑا ذخیرہ باقی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مزید مکاتیب خود ناصر سعید اکرمی صاحب یا کسی اور کی کاوش سے سامنے آئیں گے، اور اہلِ ذوق کو فائدہ پہونچائیں گے۔

'معہد الامام حسن البنا بھٹکل' سے شائع ہو کر لکھنؤ اور دہلی کے کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۹۰۲۱۰۵۳۰۰

☆☆☆☆☆

سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذھب کا نیا شاھکار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین

تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث و امین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی و تالیفی زندگی کی حاصل، سرور دو عالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ و مزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر و برکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب و عجم کے اہل نظر کی داد و تحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین (ڈائریکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی - سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم - امام و خطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلوپیڈیا ہے، مشرق و مغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط و تفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبداللہ - استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ایمان و عقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ (مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت، بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

پتہ **جامعہ بُکڈپو** جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: اگر کوئی شخص سنت جمعہ پڑھ رہا ہو کہ جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے تو کیا خطبہ سننے کے لیے سنت کو چھوڑ دینا چاہیے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ خطبہ سننا واجب ہے، اس واجب پر عمل کرنے کے لیے سنت چھوڑنا ضروری ہے؟

جواب: سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہوتو صحیح یہی ہے کہ سنت کو پوری کرے، توڑے نہیں، مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے یہی لکھا ہے کہ سنت مکمل کرلے:"إذا شرع في الأربعة قبل الخطبة ثم افتتح الخطبة..... تكلّموا فيه والصحيح أنه يتم ولا يقطع"۔

[البحر الرائق: ج۲/ص۱۷۲]

سوال: اگر خطبہ ایک شخص دے اور نماز دوسرا شخص پڑھائے تو کیا شرع میں اس کی اجازت ہے، کیا امام ہی کے لیے خطبہ دینا ضرور ہے؟

جواب: بہتر طریقہ یہی ہے کہ ایک ہی شخص خطبہ بھی دے اور نماز بھی پڑھائے؛ لیکن اگر دو الگ الگ افراد نے الگ الگ ذمہ داری انجام دی، ایک نے خطبہ دیا اور دوسرے نے نماز پڑھائی تو یہ بھی درست ہے، اس سے نہ خطبہ پر کوئی اثر پڑے گا اور نہ نماز پر، علامہ شامی نے اس کی صراحت کی ہے:"فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل جاز"۔[ردالمحتار: ج۳/ص۱۱]

سوال: کسی انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں دیا جاسکتا ہے؟

جواب: خون انسان کا جزء ہے، اور جب بدن سے نکالا جائے تو نجس بھی ہے، اس لیے اس کا اصل تقاضا یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کے جسم میں داخل نہ کیا جائے لیکن اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ بدن میں خون داخل کیے بغیر جان بچنا مشکل ہو اور مسلم ماہر طبیب کا مشورہ ہو تو مجبوری کی حالت میں جان بچانے کی غرض سے ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں دیا جاسکتا ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص۳۵۵]

سوال: کیا خون کی خرید وفروخت جائز ہے؟ نہ ملنے کی صورت میں عطیہ کرنا یا عطیہ نہ ملنے کی صورت میں خریدنا جائز ہے؟

جواب: انسانی جسم کے کسی بھی جزء کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے؛ لیکن کسی انسان کی جان بچانے کے لیے بطور عطیہ خون نہ مل سکے تو مجبوراً خریدنے کی اجازت ہوگی؛ لیکن بیچنے والے کے لیے بیچنا اور اس کی قیمت لینا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ بطور عطیہ کسی کی جان بچانے کے لیے دینا درست ہے۔[المبسوط للسرخسی: ج۱۵/ص۱۲۷]

سوال: آج کل بلڈ بینک قائم ہیں اور رضا کارانہ کیمپ بھی خون کا عطیہ حاصل کرنے کے لیے لگتے ہیں، کیا اس میں بطور عطیہ خون دینا درست ہوگا، جبکہ بینک میں جمع کرنے کی صورت میں جمع کرتے وقت مریض کو ضرورت نہیں ہے؟

جواب: ایسے بلڈ بینک جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہوں، اور وہ بلڈ بینک ضرورتمندوں کو مفت خون فراہم کرتے ہوں تو وہاں مسلمانوں کے لیے خون کا عطیہ پیش کرنا جائز ہے؛ کیونکہ موجودہ دور میں کسی وقت بھی بلڈ کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، قدرتی وغیر قدرتی ناگہانی واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، بیک وقت مختلف گروپ کے بلڈ کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، اسی لیے اگر پہلے ہی سے بلڈ جمع نہ ہوں تو ضرورتمندوں کی جان بچانا مشکل ہو جائے، اس لیے قبل از وقت خون کا عطیہ دینا درست ہے۔

[الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج۴/ص۲۶۱۴]

سوال: کیا کسی انسان کا جگر، یا گردہ دوسرے کی جان بچانے کے لیے بطور عطیہ دینا درست ہے؟ جب کہ آج کی طبی دنیا میں جگر کی منتقلی بھی بسہولت ممکن ہوگئی ہے؟

جواب: اعضاء کی منتقلی تو اصلاً جائز نہیں ہے؛ لیکن جب جدید میڈیکل سہولت کے تحت ایک انسان کا جگر دوسرے کو نقصان پہنچے بغیر منتقل کرنا ممکن ہو جیسا کہ آج کل ایسا ہو رہا ہے، تو اس شرط کے ساتھ منتقل کرنا درست ہے، جب کہ کسی دیندار ماہر ڈاکٹر نے اس کی اجازت دی ہو، شیخ وھبہ الزحیلی نے جمہور کا مسلک بتائے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

[الفقہ الاسلامی: ج۴/ص۲۶۰۹]

سوال: کیا کسی انسان کی آنکھ یا اس کا قرنیہ دوسرے کو بطور عطیہ دینا درست ہے؟

جواب: اگر آنکھ دینے والے کو بذات خود نقصان نہ ہو یا قرنیہ کے دینے میں آنکھ کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو، تو ایک آنکھ یا آنکھ کا قرنیہ بطور عطیہ دیا جا سکتا ہے؛ لیکن ماہر مسلم طبیب کی اجازت ضروری ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ [حوالہ سابق]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۲۵ نومبر ۲۰۲۴ء

Date 25th November 2024

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا